ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
مئی ۲۰۱۲ء

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
کراچی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

اشاعت کا ٦٠ واں سال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

مئی ٢٠١٢ عیسوی
جمادی الثانی ١٤٣٣ ہجری

شمارہ ٥
جلد ٦٠

ٹیلی فون — 36620945 سے 36620949
ایکسٹینشن — (054 یا 052 یا 066)
فیکس نمبر — (92-021) 36611755
ای میل — hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارہ سعید — www.hakimsaid.info

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد نمبر ٣، کراچی ٧٤٦٠٠

قیمت عام شمارہ
٣٠ روپے

سالانہ (رجسٹری سے)
٤٤٠ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
٣٢٠ روپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
٣٠٠ روپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
٤٥ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف
بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے عظیم نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

آئندہ مہینے خاص نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا

سرورق کی تصویر	زارا احمد یوسف، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد

شہید حکیم محمد سعید

کی یاد رہنے والی باتیں

جاگو جگاؤ
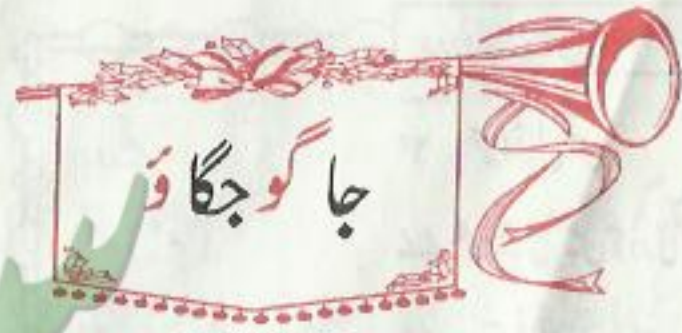
کسی کا قول ہے کہ جدوجہد کے بغیر فلاح و بہبود کا نام لینا حماقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلی چیز کوشش ہے۔ کوشش ہی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ محنت اور جدوجہد کے بغیر زندگی گزارنا ہی مشکل ہوتا ہے تو فلاح و بہبود کا کیا سوال۔

بعض لوگ بیٹھے بیٹھے صرف سوچتے رہتے ہیں کہ ہمیں یہ ملنا چاہیے، وہ ملنا چاہیے۔ ہم اس انعام کے حق دار ہیں، ہم اس معاوضے کے مستحق ہیں۔ اس کے لیے خود کوشش نہیں کرتے۔ ان کا سارا وقت اسی خیالی پلاؤ میں صرف ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہوائی قلعے بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر حاصل ہوتا ہے تو وہ نقصان ہے، کیوں کہ بیٹھے بیٹھے سوچنے سے ذہن پریشان ہو جاتا ہے اور عمل کی قوت گھٹ جاتی ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ سوچے، اس کے مطابق عمل کرے، کوشش کرے۔ یہ خیال بھی رکھے کہ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا ہے، وہ اس کا اہل اور مستحق بھی ہے کہ نہیں۔ خود کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو اپنے کسی مخلص عزیز اور سچے دوست سے مشورہ کر لے۔ جب دوستوں سے مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کر لے تو پھر اس پر پوری طرح ثابت قدمی سے عمل کرے۔ عمل اور کوشش کا نتیجہ ضرور نکلتا ہے، چاہے دیر میں نکلے۔

(ہمدرد نونہال دسمبر ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

محبت، نفرت کی قاتل ہے

لیجیے ''مئی کا آن پہنچا ہے مہینا'' ہمدرد نونہال کا مئی کا شمارہ بھی آپ تک پہنچ گیا۔ اب جون کی باری ہے۔ جون کا مطلب ہے خاص نمبر۔ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر آپ کو سال بھر انتظار کرا کر آتا ہے۔ انتظار کو بڑا آزار کہا جاتا ہے، لیکن بعض انتظار ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ ختم ہوتے ہیں تو اپنے ساتھ خوشیاں لاتے ہیں۔ نونہال خاص نمبر کا بہت انتظار کرتے ہیں، لیکن جب خاص نمبر نونہالوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے تو اُن کو بہت ہی خوشی ہوتی ہے، جس سے ہمارا بھی دل خوش ہوتا ہے۔

اس بار بھی ہمارے لیے لکھنے والے دوستوں نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا اور اپنی بہترین تحریروں سے نوازا۔ ہم ان کا گلدستہ بنانے میں رات دن مصروف ہیں تا کہ جون آتے ہی، بلکہ جون شروع ہونے سے بھی کچھ دن پہلے ہی خاص نمبر قدردانوں تک پہنچ سکیں۔ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

ہماری کوشش ہے کہ نونہالوں کی اُمیدوں اور مشوروں کے مطابق خاص نمبر کو پُرلطف اور پُرمعلومات بنائیں۔ دعا کریں ہم اس کوشش میں کام یاب ہوں اور خاص نمبر میں وہ سب کچھ شامل ہو جو اس کو یادگار بنا دے۔

اپریل ۲۰۱۲ء کے شمارے میں ایک مضمون ''لکھنے کا شوق'' مئی میں شامل کرنے کا اعلان کیا تھا، لیکن یاد آیا کہ یہ تو اکتوبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس غلطی کی معذرت قبول کیجیے۔ اس کی جگہ اپنا ایک دوسرا مضمون ''صحت مند زندگی'' شامل کر رہا ہوں۔

یہ بات ایک بار پھر دہرا رہا ہوں کہ ای میل میں بھی اپنا ڈاک کا پورا پتا اور فون نمبر ضرور لکھا کریں۔ ☆

حمدِ باری تعالیٰ

عباس العزم

کیا خوب ترے جلوے ہیں چاند ستاروں میں

کلیوں کے تبسم میں ، گلشن کے نظاروں میں

قدرت کے تری جلوے ، آتے ہیں نظر ہر سُو

بہتے ہوئے پانی میں ، دریا کے کناروں میں

کیا رُوپ نرالا ہے ، قدرت کا تری یا رب!

کیا رنگ انوکھا ہے ، گل رنگ چناروں میں

یا رب! تری قدرت کی کیا خوب ہے رعنائی

دریا کی روانی میں ، بہتے ہوئے دھاروں میں

شیرینی و رعنائی ان سارے پھلوں میں ہے

کیا خوب ہے رنگینی ان سرخ اناروں میں

بکھرے ہوئے ذروں میں ، پھولوں میں ستاروں میں

ہر جلوہ نمایاں ہے قدرت کے اشاروں میں

صحت مند زندگی

مسعود احمد برکاتی

اچھی زندگی گزارنے کے لیے صحت مند اور توانا رہنا ضروری ہے۔ بیمار آدمی کسی چیز سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ دنیا کی بہترین نعمتیں بھی اس کو خوش نہیں کرسکتیں، اس لیے بیمار ہونے سے پہلے ہی وہ طریقے اختیار کرنے چاہییں، جن سے صحت قائم رہے۔ ان طریقوں کو صحت کے طریقے کہنا چاہیے۔ صحت مند رہنے کے لیے ہمیں ان طریقوں اور اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔

سب سے پہلی اور بہترین چیز تازہ ہوا ہے۔ ہوا کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہوا میں اوکسیجن ہوتی ہے۔ اوکسیجن ہر جان دار کے لیے ضروری ہے۔ تازہ ہوا میں اوکسیجن زیادہ ہوتی ہے۔ تازہ ہوا میں گرد وغبار، مٹی اور گندگی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ چیزیں صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ تازہ ہوا ایسی نعمت ہے جو ہر ایک کو میسر آسکتی ہے۔ اس نعمت سے ہر ایک کو فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ تازہ ہوا حاصل کرنے کے لیے کھلے میدانوں، پارکوں اور باغوں میں جانا چاہیے۔ گہرے سانس لینے کی عادت اسی لیے اچھی عادت ہے کہ اس کے ذریعے سے ہوا زیادہ مقدار میں ہمارے جسم کے اندر پہنچتی ہے۔ مکانوں، دفتروں اور اسکولوں کے کھڑکی دروازے کھلے رہنے چاہییں، تاکہ تازہ ہوا خوب اندر آسکے۔

تازہ ہوا کے ساتھ سورج کی روشنی بھی صحت کے لیے ضروری ہے۔ یہ روشنی جراثیم کو مارتی ہے، یعنی جراثیم کُش ہے اور بہترین جراثیم کش ہے۔ اس سے ہمیں حیاتین د (وٹامن ڈی) ملتی ہے، جو ہماری جلد اور ہڈیوں کو ٹھیک رکھنے کے لیے ضروری ہے، اس لیے دھوپ سے نہ ڈریے۔ بہت زیادہ دھوپ اور گرمی تو نقصان دہ ہے، لیکن دھوپ میں

فائدے بھی ہیں۔ سرد ملکوں میں جہاں دھوپ کم نکلتی ہے، وہاں لوگ اس کے لیے ترستے ہیں۔ جس دن سورج نکلتا ہے، اس دن وہ خوشیاں مناتے ہیں اور خوب دھوپ میں نہاتے ہیں۔

تن درست رہنے کے لیے غذا بھی ضروری ہے۔ اچھی غذا وہ ہوتی ہے جو صحت کے لیے مفید ہو۔ کھانے کی جو چیزیں ہمیں مزے دار معلوم ہوتی ہیں، ضروری نہیں کہ وہ اچھی غذا کہلا سکیں۔ اچھی غذا اس کو کہتے ہیں، جس میں توازن ہو، یعنی ہر وہ جز موجود ہو جو صحت کے لیے ضروری ہے۔ غذا کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اس میں جو اجزا شامل ہوتے ہیں، ان میں اعتدال ہونا چاہیے۔ اگر ہماری غذا متوازن نہیں ہوگی تو ہم کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اچھی غذا کے متعلق آپ کو اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہونی چاہییں۔

کھانا کھانے کے لیے وقت مقرر ہونا چاہیے۔ ہم عام طور پر روزانہ تین بار کھانا کھاتے ہیں۔ صبح ناشتا، دوپہر کا کھانا، شام کا کھانا۔ تینوں بار ہمیں وقت کی پابندی کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے۔ اگر بھوک نہ ہو تو زبردستی کھانا ٹھونسنا اچھا نہیں۔ کم بھوک ہو تو کم کھائیے۔ بہت زیادہ کھانا بھی اچھا نہیں، تھوڑی بھوک باقی رکھ کر کھانے سے ہاتھ روک لینا چاہیے۔ کم کھانے سے نقصان نہیں ہوتا، فائدہ ہوتا ہے۔ زیادہ کھانے سے بہت نقصانات ہوتے ہیں، فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔

صحت کے لیے ورزش بھی ضروری ہے۔ ورزش کے بغیر جسم کم زور رہتا ہے۔ ورزش سے عضلات مضبوط ہوتے ہیں۔ تمام جسم میں خون تیزی سے دوڑنے لگتا ہے۔ خون اپنے ساتھ جسم کے مختلف حصوں میں اوکسیجن اور غذا لے جاتا ہے۔ خَلیّات (CELLS) کے لیے یہ غذا ضروری ہے۔ خَلیّات جب غذا کو استعمال کر لیتے ہیں تو فضلے کے طور پر کاربن ڈائی اوکسائڈ بنتی ہے۔ یہ بھی ایک گیس ہے اور ایک ایسی گیس ہے جو جسم میں زہر پھیلاتی ہے، اس لیے جسم کو اس سے نجات ملنی ضروری ہے۔ خون جسم سے

کاربن ڈائی اوکسائڈ خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ورزش کی مدد سے خون جسم کے خَلیّات کو زیادہ اوکسیجن اور غذا پہنچاتا ہے اور کاربن ڈائی اوکسائڈ کو زیادہ اچھی طرح جسم سے نکال سکتا ہے۔

جسم کو آرام ملنا بھی بہت ضروری ہے۔ نیند آرام کا بہترین ذریعہ ہے۔ سوتے میں پورے جسم کو آرام ملتا ہے۔ نیند میں جسم کے تمام خَلیّات آرام کرتے رہتے ہیں اور ناکارہ خَلیّات کی مرمت ہوتی رہتی ہے۔ سونے سے جسم کے علاوہ ذہن کو بھی آرام ملتا ہے اور انسان اپنی فکریں اور پریشانیاں بھول جاتا ہے۔ سو کر اُٹھنے کے بعد ہم پُرسکون اور تازہ دَم ہو جاتے ہیں اور ہم میں کام کرنے کے لیے نئی طاقت اور اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے نیند کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ زیادہ جاگنا اور ادھوری نیند سونا صحت کے لیے مضر ہے۔ وقتِ مقررہ پر ضرور سو جائیے اور وقتِ مقررہ پر ضرور اُٹھ جائیے۔ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اُٹھنا ہر لحاظ سے اچھا ہے۔

صحت اور صفائی دونوں بہنیں ہیں۔ دونوں ایک دوسری کے لیے ضروری ہیں۔ صفائی کے بغیر صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ اپنے آپ کو صاف رکھیے۔ اپنے جسم کو، اپنے لباس کو، اپنے گھر کو، اپنے اسکول کو، اپنے محلے کو صاف رکھیے۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۲۰ روپے (رجسٹری سے ۴۴۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکھٹے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

چلیں گے ہم

حکیم خان حکیم

علم و ہنر کی شمع جلاتے چلیں گے ہم
بھٹکے ہوؤں کو رستہ دکھاتے چلیں گے ہم

نغمے محبتوں کے جو گاتے چلیں گے ہم
نفرت دلوں سے اپنے مٹاتے چلیں گے ہم

مشکل میں ساتھ سب کا نبھاتے چلیں گے ہم
خوشیاں جہان بھر میں لٹاتے چلیں گے ہم

شیطاں کے راستے سے بچائیں گے خلق کو
خالق کے راستے پہ بلاتے چلیں گے ہم

حق دار کو حق اُس کا دلائیں گے ہم ضرور
انصاف کا پھریرا اُڑاتے چلیں گے ہم

امن و اماں کا نعرہ لگاتے ہوئے حکیم
ظلم و ستم کی آگ بجھاتے چلیں گے ہم

ادیبوں کی نرالی عادتیں

رانا محمد شاہد بورے والا

وہ لوگ جو ادب سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں اور مطالعہ کرنا جن کا خاص شغف ہے، وہ یقیناً مشہور و معروف ادیبوں کی کتابوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہیں، لیکن لکھتے وقت یہ بڑے ادیب جو عجیب و غریب طریقے اختیار کرتے ہیں، ان سے بہت کم لوگ واقف ہیں، حال آنکہ وہ نہایت دل چسپ ہیں۔

آیئے، آج چند مشہور ادیبوں کے متعلق جانتے ہیں، جو بڑے انوکھے انداز سے اپنے ادبی شہ پارے تخلیق کرتے تھے۔

اردو کے مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار کرشن چندر تنہائی میں کمرا بند کر کے لکھتے تھے۔ ایک بار ان کی بیگم نے چپکے سے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بتاتی ہیں کہ کرشن ارد گرد سے بے خبر اپنے لکھنے کے پیڈ پر جھکے ہوئے تھے۔ اس لمحے ان کا چہرہ بہت ظالم، بھیانک اور اجنبی سا لگا، تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں قلم خنجر کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد کرشن چندر کمرے سے نکلے اور سیدھے کھانے کی میز کی طرف آئے۔ اس وقت ان کا چہرہ پُرسکون، گمبھیر اور بہت معصوم تھا۔

فرانسیسی ناول نگار وکٹر ہیوگو کی یہ عادت تھی کہ وہ لکھتے وقت سیدھے کھڑے ہو جاتے اور لکھنے کے لیے اپنے کندھے جتنی اونچی میز (ڈیسک) استعمال کرتے۔ ونسٹن چرچل بھی ابتدا میں لکھتے وقت اسی قسم کا انداز اپناتے تھے۔

فرانسیسی ناول نویس الیگزینڈر ڈوما لکھتے وقت لیموں کے علاوہ کسی اور پھل کا مشروب نہیں پیتے تھے۔

آئر لینڈ کے مشہور ناول نگار جیمز جوائس نے اپنی تمام تحریریں بستر پر اُلٹے لیٹ کر

لکھیں۔ ان کا کہنا تھا: ''میں اس طریقے سے لکھتے ہوئے آرام محسوس کرتا ہوں۔''

کئی ادیب و شاعر لکھتے ہوئے سگرٹ پیتے تھے، مگر سگرٹ نوشی کی وجہ سے وہ مہلک بیماریوں میں مبتلا رہے۔ اسی طرح بعض ادیب لکھتے ہوئے چاے پینے کے عادی ہوتے ہیں۔ مشہور ادیب ایڈگر رائس اپنی دل چسپ اور چونکا دینے والی کہانیاں چاے کی بے شمار پیالیاں پی کر لکھتے تھے۔ ہر دل عزیز ادیب مسعود احمد برکاتی بھی لکھتے وقت چاے پینے کے عادی ہیں۔

فرانسیسی ادیب بالزاک چاے کے بجائے کافی پیتے تھے۔ وہ آدھی رات سے لے کر اگلے دن کی دوپہر تک لکھا کرتے تھے۔ اس دوران وہ کافی کی لاتعداد پیالیاں پی جاتے۔ ایک دفعہ انھوں نے مذاقاً کہا تھا: ''میں کافی کی دس ہزار پیالیاں پی کر مروں گا۔''

بعض ادیب ایسے بھی گزرے ہیں جو لکھنے کے دوران اپنے قریب سیب یا شہد رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیب یا شہد کی خوشبو سونگھنے سے ان کے خیالات کو تحریک ملتی تھی۔

جے بی پریسٹلے صرف کسی تحریر کو درست کرنے یا دستخط کرنے کے لیے پنسل استعمال کرتے تھے۔ اس کے برعکس لارڈ ڈیوڈ سسلی نے اپنی طویل سوانح عمری پنسل سے لکھی تھی۔

ایک زمانہ تھا، جب ادیب اتنے نازک مزاج ہوتے تھے کہ بلی کی میاؤں میاؤں اور مرغ کی ککڑوں کوں سے پریشان ہو جاتے اور ایک دم ان کے قلم رک جاتے۔ آپ اسے ملکۂ وکٹوریا کا دور کہہ سکتے ہیں، تاہم آج کے بیشتر ادیب لکھتے وقت اردگرد ہلکا پھلکا شور گوارا کر لیتے ہیں۔

اردو کے مشہور اور منفرد افسانہ نگار سعادت حسن منٹو لکھتے وقت صوفے پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے سکیڑ لیتے اور ایک چھوٹی سی پنسل سے کہانی لکھتے۔ افسانہ شروع کرنے سے پہلے وہ ۷۸۶ ضرور لکھتے تھے، جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

اردو ہی کی مشہور افسانہ نگار اور ڈراما نگار عصمت چغتائی اوندھی لیٹ کر لکھتی تھیں اور لکھتے ہوئے عموماً برف کی ڈلیاں چباتی جاتیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ڈلیاں چبانے سے میرے ذہن میں نت نئے خیالات آتے ہیں۔

اردو کے منفرد اور ممتاز مزاح نگار شفیق الرحمٰن ہمیشہ کھڑے ہو کر لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح انگریزی کی ادیبہ کیرولین ویج وڈ کہتی تھیں کہ لکھتے ہوئے بعض اوقات ریڈیو سننے سے انھیں خیالات مجتمع کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

انگریزی کے ادیب ڈیکسٹر اپنی تحریر میں کامے، فل اسٹاپ اور ڈیش وغیرہ نہیں لگاتے تھے۔ وہ اپنی تحریر میں انگریزی لکھائی کے اس قاعدے کا بھی لحاظ نہیں رکھتے تھے کہ ہر نیا جملہ بڑے حروفِ تہجی سے شروع ہو۔ اس وجہ سے ان کی تحریر ایک طویل ترین جملہ لگتی تھی۔ ان کی کتاب کے ناشر نے ایک دفعہ پریشان ہو کر انھیں لکھا کہ اس میں نہ تو کاما ہے، نہ فل اسٹاپ، میں کیا کروں؟ ڈیکسٹر کو تاؤ آ گیا۔ انھوں نے کچھ کاغذوں پر بے شمار کامے، ڈیش، فل اسٹاپ وغیرہ لکھے اور انھیں ناشر کو اس نوٹ کے ساتھ روانہ کر دیا کہ جہاں جہاں ضرورت ہو، وہ اس کاغذ سے کامے، ڈیش اور فل اسٹاپ وغیرہ لے لے۔

انگریزی کے مشہور ادیب آسکر وائلڈ تو سب سے بازی لے گئے۔ انھوں نے اپنا سال پیدائش ۱۸۵۴ء سے بدل کر ۱۸۵۶ء کر لیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے خود کو کم عمر ثابت کر سکیں۔

برطانیہ کے معروف ادیب کومپٹن میکنزی لکھتے وقت پس منظر میں کلاسیکی موسیقی کی دھنیں سنا کرتے تھے۔ میکنزی کا کہنا تھا کہ ایسی موسیقی اس کے خیالات کو توانائی بخشتی ہے۔

آج تو کمپیوٹر کا دور آ گیا ہے، لیکن اگلے وقتوں میں تحریر صاف رکھنے کے لیے ٹائپ رائٹر استعمال کیا جاتا تھا۔ چارلس ڈکنز اس کا استعمال نہیں جانتے تھے، اس لیے ڈکنز

کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کی تحریریں پڑھنا بہت دشوار ہوتا تھا۔ ان کی تحریریں خاردار تاروں کی طرح اُلجھی ہوئی نظر آتیں۔ یقیناً ڈکنز کی تحریروں نے ناشرین کو بڑا پریشان کیا ہوگا۔

سب سے عجیب حرکتیں ان ادیبوں کی تھیں جو خاص قسم کے ماحول میں خاص قسم کا لباس پہن کر لکھتے تھے۔ مثلاً مشہور ادیب ڈیوما لکھتے ہوئے ایک اونچی لمبی ٹوپی، پھول دار جاپانی چوغے کے ساتھ پہنتے۔ وہ کہتے تھے: ''میرے آدھے خیالات اس ٹوپی کے اندر ہوتے ہیں اور آدھے ان جرابوں میں، جو میں روحانی مناظر لکھتے وقت پہنتا ہوں۔'' ☆

معلومات

۱۔ قصیدہ بردہ شریف لکھنے والے بزرگ کا نام ''شیخ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید'' ہے۔

۲۔ بتول کے معنی ہیں ''غیر شادی شدہ۔'' یہ حضرت مریمؑ کا لقب بھی ہے۔

۳۔ زینب کے معنی ہیں ''خوش بو دار درخت۔''

۴۔ ''مَن وسلویٰ'' میں لفظ ''مَن'' کا مطلب ہے ''میٹھی چیز، انعام'' اور ''سلویٰ'' کے معنی ہیں ''شہد۔''

۵۔ خولہ کے معنی ہیں ''ہرنی۔''

۶۔ حضرت ایوب انصاریؓ کا نام ''خالد بن زید نجاری خزرجی بدری'' ہے۔

۷۔ حضرت ابوسفیانؓ کا نام ''صخر بن حرب بن امیہ'' ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہؒ کا نام ''نعمان بن ثابت'' ہے۔

۹۔ امام شافعیؒ کا نام ''ابوعبداللہ محمد بن ادریس'' ہے۔

۱۰۔ دواؤں (جڑی بوٹیوں) سے متعلق سب سے پہلی کتاب ''کتاب الادویہ'' کے نام سے ''ابوالجعفر احمد بن محمد الغافقی'' نے لکھی۔

مرسلہ : وامق عدنان، راولپنڈی

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک لمحے کا انصاف ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔ مرسلہ : ربیعہ نعیم، ملتان

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ

جب کسی پر احسان کرو تو اس کے شر سے بچو۔ مرسلہ : واجد نگینوی، کراچی

شیخ سعدیؒ

خدمت سے خوش قسمتی حاصل ہوتی ہے۔

مرسلہ : کنول عبدالستار نا پر، ٹنڈو جان محمد

قائداعظم محمد علی جناح

دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں۔ کام یابی انسان کی اپنی جدوجہد اور مسلسل کوشش کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ناکامی ایک ایسا لفظ ہے، جسے میں نہیں جانتا۔ مرسلہ : صوفی محمد شاکر، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

وقت اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کا صحیح استعمال عبادت ہے۔

مرسلہ : سیدہ مبین فاطمہ عابدی، جہلم

افلاطون

دنیا عاقل کی موت پر اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔

مرسلہ : فریحہ محمد عمر بخش، حیدرآباد

بقراط

حسد کرنے والا موت سے پہلے مر جاتا ہے۔

مرسلہ : علینہ سلیم، رحیم یار خان

سقراط

خاموشی اور سوچ کی بدولت بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ مرسلہ : محمد جعفر گروٹ، خوشاب

شیکسپیئر

جو اونچی جگہوں پر کھڑے ہوتے ہیں، انھیں طوفان اور آندھیوں کا زیادہ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

مرسلہ : عائشہ اقبال، کراچی

اٹامس مور

دشمن کی طرف سے کی گئی تعریف اعلا ترین شہرت ہے۔ مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

☆☆☆

خوشی کے پھول

وقار محسن

وہ چین کا رہنے والا تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا اصل نام 'چانگ یولیانگ' ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے سب اس کو چاناپین کے نام سے پکارتے تھے۔ جب وہ چینی لہجے میں اردو بولتا تو وہ کانوں کو بہت بھلی لگتی۔ روز صبح نو بجے وہ سبزی منڈی کے موڑ پر واقع پرنٹنگ پریس کے گیٹ پر آجاتا۔ اس کے پاس چار فیٹ لمبے ایک موٹے سے بانس میں پھولوں کا بڑا سا گل دستہ لگا ہوا تھا، جس میں رنگ برنگے نہایت حسین پھول سجے ہوتے۔ کاغذ اور کپڑے کے پھولوں پر قدرتی پھولوں کا گمان ہوتا اور اکثر راہگیر قریب سے گزرتے ہوئے پلٹ کر ان پھولوں کو حیرت سے چھو کر دیکھتے کہ واقعی یہ نقلی پھول ہیں یا اصلی ہیں۔ نہ صرف ان کے رنگ قدرتی معلوم ہوتے بلکہ ان میں ہر پھول کی مناسبت سے خوشبو بھی بسی ہوتی تھی۔ اکثر خواتین چنبیلی کے

پھولوں کے گجرے یا کنگن اور مردکوٹ کے کالر میں لگانے کے لئے پھول کی کلی خریدتے۔ کئی دن تک ان پھولوں کی چمک اور خوشبو ماند نہیں پڑتی تھی۔

چاینامین اپنے پھولوں کا پنکھا پھاٹک کے گیٹ سے لٹکا کر رکھ دیتا اور برابر سے سلیم نائی کی دکان سے اپنا لکڑی کا اسٹول، صراحی اور جھاڑن نکال لاتا اور پھر دن بھر آتے جاتے لوگوں سے اس کی گفتگو جاری رہتی۔

''سلام حاجی صیب (صاحب)! اب گھٹنوں کا درد کیسا ہے؟ وہی بام لگاؤ، جو ہم نے آپ کو دیا تھا۔''

''سلام میم صیب! یہ لو، یہ گلاب کی کلی ہم نے منی بٹیا کے لئے خاص طور سے تیار کی ہے۔''

''آ...... ادھر آنکو بیٹا! یہ لے مونگ پھلی گرما گرم۔''

شام کے چھے بجے تک اس کے تمام پھول بک جاتے۔ معلوم نہیں کیوں وہ روز دس بارہ پھول روک لیتا تھا۔

ایک دن جب میں دفتر سے اٹھا تو مجھے یاد آیا کہ آج میرے بیٹے فیصل کی سال گرہ ہے۔ میں نے سوچا کہ کیک اور پھلوں کے ساتھ میں چاینامین سے بچوں کے لیے کچھ پھول بھی خریدلوں۔ جب میں سبزی منڈی کے موڑ پر پہنچا تو چاینامین اپنا اسٹول اور صراحی سلیم نائی کی دکان میں رکھ کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے موٹر سائیکل سے اُتر کر اس کے پنکھے میں لگے دس بارہ پھول خریدنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن مجھے تعجب ہوا کہ اس نے صاف الفاظ میں وہ پھول فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے اسے دگنی قیمت دینے کی پیش کش کی، لیکن وہ نہ مانا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا سڑک کے پار سٹی اسپتال کے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

ایک دن مجھے اپنی آنکھیں ٹیسٹ کرانے کے لئے سٹی اسپتال جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے پرانے دوست مشیر احمد خاں آئی اسپیشلسٹ سٹی اسپتال میں بیٹھتے تھے۔ انھوں نے زور دیا کہ میں ان کے کلینک کے اوقات سے کچھ پہلے آجاؤں، تاکہ ہم دونوں کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرلیں۔ شام کو چھے بجے جب میں ان کے کلینک پہنچا تو وہ میرے منتظر تھے۔ ہم دونوں طالب علمی کے زمانے کی باتوں میں کھو گئے۔ مشیر کے کمرے کے سامنے ہی بچوں کا جنرل وارڈ تھا، جس میں چھے سات بیڈ تھے۔ میں نے کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھا کہ چاینامین ایک بچے کے بیڈ کے نزدیک بیٹھا بچے کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ قریب ہی اس کا پھولوں کا پنکھا رکھا تھا، جس میں دس بارہ پھول تھے۔

میں نے مشیر سے پوچھا: ''یہ بچہ اس چاینامین کا کون ہے؟ اس بچے سے اس کیا رشتہ ہے؟''

مشیر نے مسکراتے ہوئے ایک نظر شیشے کے پر ڈالی اور کہا: ''محسن! اس وارڈ کے تمام بچوں سے اس کا پیار اور محبت کا رشتہ ہے۔ اس کو صرف پھول بنانے کا ہی فن نہیں آتا، بلکہ یہ بچوں کے دلوں میں اُمید اور خوشی کے پھول کھلانے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ یہ روز ملاقات کے اوقات میں بچوں کے وارڈ میں آجاتا ہے اور ہر بچے کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر ان کو اپنے خوشبو میں معطر پھول دیتا ہے اور مزے مزے کے لطیفے سنا کر ہنساتا ہے۔''

مشیر نہ جانے اور کیا کیا کہہ رہے تھے۔ مجھے ان کی آواز کہیں بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں ٹکٹکی باندھے اس چینی فرشتے کو دیکھ رہا تھا، جو ایک بچے کے چہرے پر جھکا باتیں کر رہا تھا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ اس دن چاینامین نے وہ پھول دگنی قیمت میں بھی بیچنے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ اس دن اس کے پاس بس اس بچے کو دینے کے لائق پھول بچے تھے۔ حسین کاغذ کے پھولوں کی تخلیق اس کا پیشہ اور ننھے دلوں میں امید اور خوشی کے پھول کھلانا اس کی عبادت کا حصہ تھا۔ ☆

بکریوں کا اتحاد

سمیعہ غفار

''آج کل نہ جانے اس چرواہے کو کیا ہو گیا ہے، ہر وقت غصے میں رہنے لگا ہے، ہر وقت ہمیں مارتا پیٹتا رہتا ہے۔''

''اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگا ہے، مار مار کر ہمارا کچومر نکال دیا ہے۔ میں تو اس چرواہے کے مظالم سہہ سہہ کر عاجز آچکی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کہاں جائیں اور کس کے آگے فریاد کریں؟''

''ہمیں کسی کے سامنے گڑگڑانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم اپنے مسائل خود حل کر سکتے ہیں۔''

''لیکن کیسے؟''

''ہمیں فرار ہونا پڑے گا۔''

"فرار......؟"

"ہاں، ہمارے یہی پاس ایک راستہ ہے۔ اگر ہمیں اس چرواہے سے پیچھا چھڑانا ہے تو ہمیں فرار ہونا ہی پڑے گا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن ہم فرار ہوں گے کیسے؟"

"یہ تم لوگوں کو رات کو بتاؤں گی، ابھی خاموش ہو جاؤ۔ اگر چرواہے کو ہم پر شک ہو گیا تو ہم کبھی اس ظالم چرواہے سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے، جیسا تم کہو گی، ہم ویسا ہی کریں گے۔"

تمام بکریاں چرواہے کے مظالم سے تنگ آ چکی تھیں، اس لیے اب اس سے نجات حاصل کرنے کے منصوبے بنانے لگیں۔ انھوں نے رات کو بھاگنے کا منصوبہ بنایا اور اگلے روز اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب بکریاں اس منصوبے پر متفق تھیں اور آزادی کے خواب دیکھنے لگیں۔ دوسرے دن جب چرواہا بکریوں کو چرانے لے گیا تو بکریوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ بکریوں نے چرواہے کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد سب بکریاں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ بھاگتے بھاگتے بکریاں بہت دور نکل آئیں۔ وہ بہت تھک گئی تھیں، اس لیے ذرا سستانے کے لئے وہیں بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر آرام کرنے کے بعد انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو دور دور تک سناٹے اور ویرانی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بکریاں اٹھیں اور دوبارہ اپنا سفر شروع کیا۔ ذرا آگے جانے کے بعد انھیں ایک بڑا سا قلعہ نظر آیا۔ بکریوں نے قلعے کے اردگرد کے علاقے کا بغور جائزہ لیا تو وہاں آبادی نہ پا کر بہت خوش ہوئیں۔ قلعے اور اس کے آس پاس دور دور تک کسی انسان کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ بکریوں نے قلعے کے دروازے کو دھکا مار کر کھولا اور قلعے کے اندر داخل ہو گئیں۔ قلعہ بہت بڑا اور شان دار تھا۔ قلعے میں بڑے بڑے کمرے تھے اور ہر کمرا قیمتی ساز وسامان سے آراستہ تھا۔

قلعہ کے اندر انسانوں کی ضرورت کا تمام سامان تو موجود تھا، لیکن کوئی انسان موجود نہ تھا۔ اتنا بڑا قلعہ خالی دیکھ کر بکریاں خوشی کے مارے اُچھلنے لگیں اور سوچنے لگیں کہ اب وہ یہاں اپنی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ گزاریں گی۔ یہاں وہ ظالم چرواہا نہیں آ سکے گا۔ اب وہ آزاد ہیں۔ آزادی کے احساس نے سب بکریوں کو نئی زندگی بخشی تھی۔

بکریوں کو اس قلعے میں رہتے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ وہ سارا سارا دن معمول کے کام کرتیں، قلعے سے باہر جا کر گھومتی پھرتیں اور شام ہوتے ہی قلعے میں واپس آ جاتیں۔ قلعے سے ذرا فاصلے پر ایک جنگل بھی تھا۔ بکریوں کو قلعے میں آتا جاتا دیکھ کر ایک بھیڑیا ان کی تاک میں لگ گیا اور ان کی جاسوسی کرنے لگا۔

جب بھیڑیے نے بکریوں کا قلعہ دیکھ لیا تو ایک شام وہ بکریوں کا شکار کرنے قلعے کے دروازے پر جا پہنچا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک بڑی سی چادر سے خود کو لپیٹ لیا، تا کہ بکریاں اسے پہچان نہ سکیں۔ اس نے قلعے کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کسی بکری کے باہر آنے کا انتظار

کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک بکری کی ہلکی سی آواز آئی: ''کون؟''

بھیڑیے نے آواز بدل کر کہا: ''بیٹی! میں ایک بوڑھا بکرا ہوں اور مسافر ہوں، سفر پر نکلا تھا کہ شام پڑ گئی۔ بیٹی! تم تو جانتی ہی ہو نا، کہ آج کل کے حالات کتنے خراب ہیں، ہر طرف درندے اور بھیڑیے دندناتے پھرتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب حملہ کر دیں اور ہم غریب مسافروں کو شکار کر کے دعوت کے مزے اُڑائیں۔''

بھیڑیے کی درد مند آواز سن کر بکری نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور خود ایک طرف ہو کر مسافر کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ بھیڑیا اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ قلعے کے اندر تو ہر طرف بکریاں ہی بکریاں ہیں۔ اتنی ساری بکریاں ایک جگہ اکٹھی دیکھ کر بھیڑیے کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اور اس نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ میرے تو مزے ہو گئے۔ اب مجھے کئی مہینوں تک یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ سوچ کر اس کے منھ میں پانی بھر آیا اور اس کی بھوک میں بھی اضافہ ہو گیا، لیکن اس نے صبر کا مظاہرہ کیا اور سوچا کہ رات کو جب سب بکریاں سو جائیں گی، تب وہ اپنا کام شروع کر دے گا اور ایک ایک کر کے ساری بکریوں کو مار ڈالے گا اور آرام آرام سے کھاتا رہے گا۔

بکری دروازہ بند کر کے بھیڑیے کو اندر لے گئی اور ایک بوڑھی بکری کو بتایا کہ یہ مسافر بکرا ہے اور یہاں رات گزارنا چاہتا ہے۔

بوڑھی بکری نے کہا: ''آیئے تشریف لایئے، آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں۔ آپ یہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ آرام سے بیٹھ جائیں اور اپنی چادر اُتار دیں۔''

بھیڑیے نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: ''نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دراصل میری ایک ہی بیٹی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اس کی شادی کر دی۔ بہت دنوں بعد اس سے ملنے جا رہا

ہوں۔ اس کا گھر بہت دور ہے۔ کئی روز سے سفر میں ہوں۔ سفر کی مشقت نے مجھ بوڑھے بکرے کو بیمار کر دیا ہے۔ مجھے بہت تیز بخار ہے اور سردی بھی محسوس ہو رہی ہے، اس لیے میں چادر نہیں اُتار سکتا۔"

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ آپ کمرے میں جا کر آرام کریں، میں آپ کے لیے گھاس بھجواتی ہوں۔" بوڑھی بکری نے مسافر بھیڑیے سے کہا اور ایک چھوٹی بکری کو اشارہ کیا کہ مہمان کو کمرے میں لے جائے۔

جب بھیڑیا کمرے میں چلا گیا تو ایک بکری اوپر سے دوڑتی ہوئی آئی اور ڈرتے ہوئے بولی: "ہم بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہیں۔ وہ جو چادر اوڑھ کر اندر آیا ہے، وہ مسافر بکرا نہیں ہے، بلکہ وہ بھیڑیا ہے۔ اس نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ وہ ہم سب کو مار ڈالے گا۔ اب ہم کیا کریں گے؟"

"لیکن یہ سب تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" بڑی بکری نے پوچھا۔

"جس وقت وہ بھیڑیا قلعے کے دروازے پر کھڑا چادر اوڑھ رہا تھا، میں اس وقت اوپر جھروکے میں کھڑی دیکھ رہی تھی اور جب تک میں آ کر کسی کو بتاتی، وہ قلعے کے اندر داخل ہو چکا تھا۔" بکری نے کانپتے ہوئے کہا۔

یہ بات سن کر چھوٹی بکری بوڑھی بکری سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس خبر سے سب بکریوں کے رُونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ پریشان ہو گئیں۔

"مت رو میری بچی! چپ ہو جا۔ اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دے گا۔ ہم ہیں نا، کچھ سوچتے ہیں۔" بوڑھی بکری نے ننھی بکری کو گلے سے لگا کر دلاسا دیا اور سب بوڑھی بکریاں سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھی بکری نے چھوٹی بکری سے مہمان بکرے کے لیے گھاس لانے کو کہا تو اس نے ڈرتے ہوئے کہا: "لیکن گھاس اس کے پاس لے کر کون جائے گا؟"

"میں لے کر جاؤں گی۔" بڑی بکری نے کہا اور گھاس کی گٹھی لے کر بھیڑیے کے کمرے میں پہنچی۔ بھیڑیا لیٹا ہوا تھا۔ بکری کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا۔ بکری نے گھاس کی گٹھی رکھتے ہوئے کہا: "یہ لیجیے! آپ گھاس کھائیں گے تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔ آپ اچھا محسوس کریں گے۔"

بکری کمرے سے باہر نکل آئی اور آہستگی سے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے کھڑکی میں سے اندر جھانکنے لگی۔ بھیڑیا تو گھاس کھاتا ہی نہیں، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ کہیں بکریوں کو شبہ نہ ہو، تھوڑی سی گھاس چبالی۔ ابھی تھوڑی سی گھاس منھ میں گئی تھی کہ بھیڑیے کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ دروازے کی طرف دوڑا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

سب بکریاں بھیڑیے کا انجام دیکھنے کے لیے کھڑکی میں جمع ہو گئیں۔ ایک بکری نے کہا: "دروازہ نہیں کھلے گا اور تم بھی باہر نہیں آپاؤ گے۔"

"تم نے گھاس میں کیا ملایا تھا اور کیوں؟" بھیڑیے نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

بوڑھی بکری نے جواب دیا: "یہ گھاس نہیں تھی، زہریلی جڑی بوٹیاں تھیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم معصوم بکریوں کو بے وقوف بناؤ گے اور ہمیں شکار کر لو گے۔ ہم نے اپنی بڑی بوڑھیوں سے تم جیسے درندوں کی بہت سی کہانیاں سن رکھی ہیں۔ ہم تمھیں اچھی طرح پہچان چکی ہیں۔ تمھارا راز فاش ہو چکا ہے۔"

"مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لیے مجھے بچا لو۔ میں تمھارے قلعے سے بہت دور چلا جاؤں گا۔" بھیڑیے نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"اب تمھاری ان چالاکیوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور ویسے بھی اگر ہمیں اپنی جانیں بچانی ہیں تو تمھیں مارنا ہی پڑے گا۔ بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ بھیڑیوں پر کبھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ بھیڑیے کبھی بکریوں کے دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے اب ہم تمھاری باتوں میں نہیں آئیں گی۔"

بھیڑیا تھوڑی دیر تڑپتا رہا اور آخر تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ بکریاں بھیڑیے کو گھسیٹ کر قلعے سے باہر لے گئیں اور بھیڑیے کی لاش کو عبرت کے نشان کے طور پر ایک درخت سے اُلٹا لٹکا دیا، تاکہ دوسرے خوں خوار درندے اور چالاک بھیڑیے اس بھیڑیے کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کریں اور کبھی ان معصوم بکریوں کے اس شان دار قلعے کا رخ کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ بھیڑیے کو انجام تک پہنچانے کے بعد سب بکریوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آدھی رات کو قلعے کے باہر سے کچھ جنگلی کتوں کا گزر ہوا۔ وہ مردہ بھیڑیے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے مل کر بھیڑیے کے گوشت کی دعوت کے مزے اُڑائے۔ اس طرح ایک چالاک بھیڑیا اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچا۔ ☆

اوریئنٹ دعوۃ ایوارڈز برائے بچوں کا ادب ۲۰۱۲ء

دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے بچوں کے ادب کے فروغ کے لیے ہر سال نوجوان اہلِ قلم کی شائع شدہ نظم، ڈراما، کہانی، مزاح اور ناول کا مقابلہ منعقد کر کے دس ہزار روپے نقد انعام اور سرٹی فکیٹ دیے جاتے ہیں۔ ایوارڈ کے لیے ۲۰۱۱ء میں بچوں کے رسائل میں شائع شدہ نوجوان اہلِ قلم کی موصول ہونے والی تحریروں کو اکیڈمی کتابی صورت میں شائع کر سکے گی۔ تحریروں کا جائزہ جیوری لے گی جس کا فیصلہ حتمی ہوگا۔ نوجوان اہلِ قلم زیادہ سے زیادہ پانچ تحریریں الگ الگ لفافے میں بھجوائیں اور صنف کا نام لفافے پر نمایاں طور پر لکھیں۔ ہر تحریر کی تین کاپیاں نام، ولدیت، عمر، تعلیمی قابلیت، پتا، شناختی کارڈ یا ''ب فارم'' کی فوٹو کاپی اور فون نمبر کے ساتھ ۳۱ مئی ۲۰۱۲ء تک درج ذیل پتے پر بھجوادیں۔ کوائف نامکمل ہونے کی صورت میں تحریریں مقابلے میں شامل نہیں ہوں گی۔ عامر حسن

شعبہ بچوں کا ادب، دعوۃ اکیڈمی، پوسٹ بکس نمبر ۱۴۸۵، فیصل مسجد، اسلام آباد

فون : 051-9261761 Extension : 364 & 363

ننھی سی چڑیا

شاہد حسین، لاہور

سوجا گڑیا ، سوجا
ننھی سی چڑیا ، سوجا
نیند کی پریاں آئیں
خوابوں میں لے جائیں
نیند کی گود میں کھو جا
سوجا گڑیا ، سوجا

پیارے بچے میرے
سپنوں کے موتی تیرے
مالا میں خواب پرو جا
سوجا گڑیا ، سوجا

سارے ستارے آئے
چندا کو ساتھ میں لائے
اب تو تُو خوش ہوجا
سوجا گڑیا ، سوجا

دل کا میرے سرور تُو
آنکھوں کا میری نور تُو
آنکھوں میں میری سموجا
سوجا گڑیا ، سوجا
ننھی سی چڑیا ، سوجا

ایک کپ چائے

اشتیاق احمد

''آپ لوگوں کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم تقریباً ایک سو کلرک بھرتی کریں گے۔ گویا آپ سب میں سے سو اُمیدواروں کو تو ملازمت مل ہی جائے گی۔ اب یہ آپ کی محنت اور قسمت کی بات ہے کہ ملازمت کسے ملتی ہے، کسے نہیں۔ بس اتنا اطمینان رکھیں کہ آپ میں سے ایک سو کو ضرور ملازمت مل جائے گی۔''

ایک نوجوان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا: ''لیکن سر! کیسے؟ کیسے اطمینان رکھیں؟ ہمیں تو دھکے کھاتے کئی کئی سال گزر گئے۔ انٹرویو دیتے دیتے ہم تو تھک گئے۔ لگتا ہے ہم اسی طرح انٹرویو دیتے دیتے ہی بوڑھے ہو جائیں گے، لیکن ہمیں ملازمت نہیں ملے گی۔ ہمارے بوڑھے ماں باپ ہر روز اُمید بھری نظروں سے ہمیں گھروں سے رخصت کرتے ہیں اور جب ہم منھ لٹکائے واپس آتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں اُمید کے یہ دیے بجھ جاتے ہیں۔''

انٹرویو لینے والے افسر نے چونک کر اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ انٹرویو کے لیے آنے والوں کے سامنے اس افسر کا اس طرح تقریر کرنا، ایک معمول تھا۔ ایک طرح سے یہ ان کی ڈیوٹی تھی۔ اُمیدوار اس تقریر کے جواب میں عام طور پر یہی کہا کرتے تھے، لیکن آج اس نوجوان نے جن الفاظ میں گلہ کیا تھا، وہ انھیں چونکا گیا تھا۔ نوجوان نے بہت متاثر کن الفاظ میں اپنا درد بیان کیا تھا۔ وہ اس سے کہے بغیر نہ رہ سکے: ''نوجوان! آپ کا نام کیا ہے؟''

''جی، میرا نام حارث ہے۔''

''حارث میاں! آپ نے اپنا نقطۂ نظر بہت اچھے الفاظ میں بیان کیا۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ اس پر گھر کا پتا بھی درج ہے۔ آپ منگل کے روز شام پانچ بجے مجھ سے میرے

گھر آ کر مل لیجیے گا۔''

''بہت بہت شکریہ سر!'' اس نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔ آفیسر کمرے میں چلے گئے۔ انٹرویو کے لیے آنے والے سبھی اُمیدوار اسے رشک بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس بھیڑ میں اس کے چند قریبی دوست بھی تھے۔

ان میں سے ایک نے کہا: ''بھئی حارث! لگتا ہے تمھاری قسمت جاگ گئی۔ اب یہ آفیسر تمھیں تو ضرور ملازمت دے دیں گے۔''

''ہاں، واقعی ان کے انداز سے تو یہی لگتا ہے۔''

''پتا نہیں بھائی! کیا کہا جا سکتا ہے۔'' حارث اداس انداز میں مسکرایا۔

''بہر حال بدھ کے دن تم ہمیں ضرور بتاؤ گے، انھوں نے تمھیں گھر پر بلا کر کیا کہا تھا۔'' دوسرا دوست بولا۔

''ٹھیک ہے قاسم! میں تم لوگوں کو ضرور بتاؤں گا۔ ویسے تم سب مل کر میرے لیے دعا کرو۔''

''صرف تمھارے لیے کیوں، ہم اپنے لیے بھی کیوں نہ کریں۔''

''وہی وہی، میرا مطلب ہے، سب لوگ سب کے لیے دعا کریں، پھر جس جس کی قسمت میں ہوا، اسے ملازمت مل جائے گی۔''

''ان شاء اللہ!'' ان سب نے ایک ساتھ نعرہ لگانے کے انداز میں کہا۔

اور پھر انٹرویو کے لیے ان کے باری باری نام پکارے جانے لگے۔ زبانی انٹرویو کے بعد سب کا تحریری انٹرویو بھی لیا گیا۔ باقاعدہ ایک پیپر دیا گیا، وہ پیپر ان سب کو حل کر کے دینا تھا۔ پیپر بہت مشکل تھا۔ ان سب کو حل کرتے ہوئے دانتوں پسینا آ گیا۔ اس طرح آخر یہ انٹرویو تمام ہوا۔

منگل کے روز شام پانچ بجے حارث نے جواد نسیمی صاحب کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے دیکھا، وہ ایک خوب صورت کوٹھی تھی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کے ملازم نے باہر آ کر پوچھا: ''ہاں میاں! کیا بات ہے، کس سے ملنا ہے؟''

''جی وہ جواد نسیمی صاحب نے مجھے یہ کارڈ دیا تھا۔ منگل کو شام پانچ بجے گھر آ کر ملاقات کرنے کے لیے کہا تھا۔''

''اوہ اچھا!'' ملازم کارڈ دیکھ کر فوراً نرم پڑ گیا، پھر بولا: ''آپ ایک منٹ ٹھیریں۔ صاحب لان میں موجود ہیں۔ میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام حارث ہے!''

''اچھی بات ہے۔'' ملازم نے کہا اور اندر چلا گیا۔ جلدی ہی اس کی واپسی ہوئی۔

''آئیے، صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے ملازمت ملنے کے امکانات روشن ہیں۔

جواد نسیمی صاحب لان میں بیٹھے نظر آئے۔ ایک ملازم میز پر چائے کے برتن سجا رہا تھا۔ اس نے نزدیک پہنچ کر کہا: ''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام...... آئیے حارث صاحب! آپ بالکل وقت پر آئے۔ اس بات کی بہت خوشی ہے۔ آپ بیٹھیں۔''

وہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اختر! تم جاؤ، چائے میں خود بناؤں گا۔'' انھوں نے ملازم سے کہا۔

''جی اچھا۔'' وہ بولا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔

اس کے جانے کے بعد جواد نسیمی صاحب بولے: ''حارث! میں چاہتا ہوں، آپ

اپنے الفاظ ایک بار پھر دہرائیں۔''

''جی کون سے الفاظ؟''

''بھئی، وہی جو میری تقریر کے بعد آپ نے کہے تھے اور جن کی میں نے تعریف کی تھی اور آپ کو یہاں آنے کے لیے کہا تھا۔''

''سر! میں تو بھول بھی گیا۔ کیا الفاظ تھے۔''

''اچھی بات ہے، میں دہرا دیتا ہوں۔ حارث! آپ نے کہا تھا: ''کیسے اطمینان رکھیں سر! ہمیں تو دھکے کھاتے کھاتے کئی سال گزر گئے، انٹرویو دیتے دیتے ہم تو تھک گئے۔ شاید ہم اسی طرح انٹرویو دیتے دیتے بوڑھے ہو جائیں گے، لیکن ہمیں ملازمت نہیں ملے گی۔ ہمارے بوڑھے والدین ہر روز ہمیں اُمید بھری نظروں سے رخصت کرتے ہیں اور جب ہم منھ لٹکائے واپس آتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں اُمید کے یہ دیے بجھ جاتے ہیں۔''

یہی الفاظ تھے نا حارث صاحب! یا ان سے ملتے جلتے الفاظ تھے۔ مجھے اسی طرح یاد رہ گئے۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا حارث صاحب! ہمارے ملک میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہاں حق داروں کو حق نہیں ملتا۔ جن کا حق نہیں ہوتا، انھیں دے دیا جاتا ہے۔''

یہاں تک کہہ کر جواد نسیمی خاموش ہو گئے۔ پھر انھوں نے چائے کا ایک کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ''اس روز میں آپ کی بات سن کر دکھ اور کرب محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے سوچا، میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا، آپ کو کم از کم......'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

حارث کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ جاننے کے لیے بے چین ہو گیا کہ آگے جواد نسیمی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس کی نظریں ان کے چہرے پر جم گئیں، پھر کئی لمحے گزر گئے، لیکن انھوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ تب اس سے رہا نہ گیا، وہ بول اُٹھا: ''آپ کچھ کہتے کہتے رک گئے سر! کہیے نا۔''

''وہ فائل یعنی انٹرویو والی فائل اسی روز ادارے کے سربراہ نے منگوائی تھی۔ اپنے دفتر میں بیٹھ کر انھوں نے ایک نئی فائل بنا رکھی تھی اور اس فائل میں ایک سو کے ایک سو نام ایسے لوگوں کے تھے، جو انٹرویو کے لیے آئے بھی نہیں تھے۔''

''کیا؟'' وہ دھک سے رہ گیا۔

''آپ کے لیے یہ بات نئی ضرور ہوگی، لیکن یہ تو ایک معمول کی بات ہے، عام بات۔''

''تب پھر سر! ہم لوگوں کو انٹرویو کے لیے بلایا ہی کیوں جاتا ہے؟''

''اخبارات کا پیٹ بھرنے کے لیے۔ عوام کو یہ بتانے کے لیے کہ ملک میں نہایت عدل وانصاف سے ہر کام ہو رہا ہے۔''

''ہاں، واقعی یہ تو عین عدل وانصاف سے کام ہو رہا ہے۔ آپ اس وقت کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے سر!'' حارث نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہاں حارث میاں! میں کہہ رہا تھا، میں نے سوچا، میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا، ان اچھے خوب صورت اور دکھ بھرے الفاظ کے بدلے میں آپ کو کم از کم ایک کپ چاے تو پلا ہی سکتا ہوں۔ لیجیے، چاے پییں۔''

دوسرے دن قاسم اور اس کے دوسرے دوستوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھنے لگے:

''جواد نسیمی صاحب نے تمھیں کیوں بلایا تھا؟ دیکھو، سچ سچ بتانا۔''

''ہاں کیوں نہیں، اب کیا میں بھی جھوٹ بولوں گا۔ انھوں نے مجھے ایک کپ چاے پلانے کے لیے بلایا تھا۔''

اس کے دوست اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے اس نے ان سے صاف جھوٹ بولا ہو، جب کہ اس کی مسکراہٹ اس کے سچے ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

سرسید احمد خاں

مرسلہ: محمد عدیل رشید، حیدرآباد

سرسید احمد خاں پہلے شخص تھے، جنھوں نے دو قومی نظریہ پیش کیا اور اسی کے تحت تقسیمِ ہند عمل میں آئی۔ سرسید کے قائم کردہ علی گڑھ کالج سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ نے ہندستان کے کونے کونے میں پھیل کر تحریکِ پاکستان کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔

سرسید احمد خاں کی زندگی زندہ دلی کا نمونہ ہے۔ آپ بڑے سخی اور فیاض تھے۔ جب کالج بنانے کی دھن سوار ہوئی تو اپنا سب کچھ کالج کو دے دیا اور کالج کے لیے چندہ کرنے کے نئے طریقے ایجاد کرتے۔

آپ مشکل حالات میں بھی صبر کا دامن نہ چھوڑتے۔ آپ دھن کے پکے اور نصب العین پر ڈٹے رہنے والے انسان تھے۔ محنت ومشقت سے کبھی جی نہیں چرایا۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ جو دل میں ہوتا، وہی زبان اور وہی قلم کی نوک پر ہوتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا ان کی عادت تھی۔ اگر آپ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قیامِ پاکستان کی پہلی اینٹ (دو قومی نظریہ) آپ ہی کے ہاتھ سے لگی۔

سائنسی معلومات

مرسلہ: ہمیرا انور، جھنگ

☆ انسان کا دماغ مرنے کے بعد دس منٹ تک کام کرتا ہے۔

☆ سب سے طاقت ور تیزاب ہائیڈروکلورک ایسڈ (Hcl) ہے۔

☆ سب سے قیمتی دھات کا نام پلاٹینم ہے۔

☆ مینڈک کے نہ دانت ہوتے ہیں اور نہ پسلیاں۔

☆ ہیضے کا مرض مکھی سے پھیلتا ہے۔

☆ تھرمامیٹر گیلیو گلیلی نے ایجاد کیا۔

☆ بھاپ کا انجن ایجاد کرنے والے سائنس داں کا نام جیمز واٹ ہے۔

گدھے کا کام

مرسلہ: اختر منیر، بنوں

فتح کے بعد جب سکندرِ اعظم یونان کے ایک علاقے میں گیا تو وہاں ایک شخص دنیا سے بے خبر دیوار کے سائے میں سو رہا تھا۔

سکندر نے اُسے جگانے کے لیے لات ماری اور کہا: ”میں نے اس شہر کو فتح کر لیا ہے اور تُو ابھی تک بے خبر سو رہا ہے۔“

اُس شخص نے سکندر کی طرف دیکھا اور کہا: ”شہر فتح کرنا تو بادشاہ کا کام ہے اور لات مارنا گدھے کا کام ہے۔ کیا دنیا میں کوئی انسان باقی نہیں بچا، جو بادشاہت ایک گدھے کو مل گئی۔“

معلوماتِ پاکستان

مرسلہ: شاکر زمان، بنوں

- قومی پرچم کا انتخاب ۱۱۔اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا۔
- قومی پرچم کا رنگ لیاقت علی خاں نے تجویز کیا۔
- پاکستان کا قومی مشروب گنے کا رس ہے۔
- پاکستان کا قومی پھول چنبیلی ہے۔
- پاکستان کا قومی پرندہ چکور ہے۔
- پاکستان کا نام چودھری رحمت علی نے تجویز کیا۔
- پاکستان کا قومی ترانہ حفیظ جالندھری نے لکھا۔

علم دریچے

مرسلہ: سدرہ ریاض، رحیم یار خان

ملک شام کا ایک بہت امیر آدمی مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبے کے طواف کے دوران اُس کی چادر کا کونا ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ امیر نے اُس کے منھ پر تھپڑ مار دیا۔ اُس شخص نے بھی برابر کا جواب دیا۔ امیر غصے سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے جو کیا، اُس کی سزا پائی۔

اُس نے کہا کہ ہم سے گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاہلیت میں ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے ہر پست و بلند کو برابر کر دیا ہے۔

محنت

مرسلہ: فضیلہ نیاز، واہ کینٹ

اگر آپ کو علم کی آرزو ہے تو اُس

کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو خوراک کی ضرورت ہے تو اُس کے لیے بھی محنت بنیادی شرط ہے۔ اگر آپ مسرت چاہتے ہیں تو بھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے۔ محنت کی حیثیت قانون کی طرح ہے، اُس کی پابندی ہی آپ کو ہر مقصد میں کام یاب کرا سکتی ہے۔

آٹا اور گھی

مرسلہ: مہک اکرم، لیاقت آباد

نادر شاہ نے ہندستان پر حملہ کر دیا۔ سندھ میں میاں نور محمد کلہوڑا نے اُس کا مقابلہ کیا، لیکن وہ جنگ میں کام یاب نہ ہو سکا اور گرفتار ہو گیا۔ اسے نادر شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نادر شاہ نے اس سے پوچھا: ”سنا ہے، آپ کے پاس ایک نہایت قیمتی لعل ہے۔“

نور محمد نے جواب دیا: ”ایک نہیں دو لعل ہیں۔“

نادر شاہ نے فرمائش کی کہ وہ دونوں لعل ہمارے حضور پیش کیے جائیں۔ نور محمد نے تھوڑا سا آٹا اور گھی منگوا کے کہا: ”میں ایک زمیندار ہوں۔ میرا سب سے بڑا سرمایہ آٹا اور گھی ہے۔ یہ سرمایہ میسر ہو تو کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“

نادر شاہ بہت خوش ہوا اور اس پر نور محمد کی دانائی کا گہرا اثر پڑا۔

دعا

شاعر: محسن احسان

پسند: محمد عثمان عابد، بہاول پور

کون و مکاں کے مالک، تجھ سے یہ التجا ہے
وہ راستہ دکھا جو نیکی کا راستہ ہے
مجھ کو حوصلہ دے، میں سب کے کام آؤں
تاریکیوں میں دکھ کی، دل کا دیا جلاؤں
زخموں پہ سب کے رکھوں مرہم محبتوں کا
دنیا سے ختم کردوں میں نام نفرتوں کا
دنیا سنوار دوں میں، یہ آرزو ہے میری
ہو علم میری منزل، یہ جستجو ہے میری
مولا! یہی دعا ہے، رستہ صحیح دکھا دے
توفیق دے عمل کی، انساں مجھے بنا دے

پانی کی قلت

مرسلہ: واجد نگینوی، ملیر، کراچی

ایک بار پانی کی قلت کی وجہ سے

مولانا عبدالمجید سالک بہت پریشان تھے۔ پطرس بخاری کو جب اُن کی پریشانی کا علم ہوا تو وہ پانی کی کئی بالٹیاں اپنی کار میں رکھ کر مولانا کی کوٹھی پر لے گئے اور کہنے لگے: ''دیکھیے حضور! آپ کو پانی پانی کرنے کے لیے حاضر ہوگیا ہوں۔''

مولانا عبدالمجید سالک نے فوراً جواب دیا: ''ارے میں کیا پانی پانی ہوں گا، پطرس بخاری صاحب! اور آپ تو کیا، یہاں بڑے بڑے پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔''

منحوس

مرسلہ: دوست محمد، لاڑکانہ

ایک توہم پرست بادشاہ شکار کھیلنے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے کسی بدصورت شخص کو دیکھا اور سوچ لیا کہ یہ منحوس ہے۔ حکم دیا کہ اسے کنویں میں بند کردو اور جب تک ہم شکار سے واپس نہ آئیں، بند ہی رہنے دو۔''

بادشاہ کو خوب شکار ملا، شام کو واپسی ہوئی تو بدنصیب شخص کو بھی رہائی ملی۔ اس نے رہائی پا کر بادشاہ کی قدم بوسی کی اور کہا: ''جان کی امان پاؤں تو کچھ کہوں؟''

بادشاہ نے کہا: ''بولو۔''

''آپ نے میرا چہرہ دیکھا اور آپ کو خوب شکار ملا۔ میں نے آپ کا چہرے دیکھا اور سارا دن اندھے کنویں میں قید رہا۔ اب بتایئے، منحوس کون ہوا؟''

بادشاہ لاجواب ہوگیا۔

سامع

مرسلہ: یسریٰ اسلم، شریف آباد

ایک مرتبہ افلاطون اپنے بہت سے شاگردوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، مگر ان شاگردوں میں ارسطو نہ تھا۔ افلاطون نے کہا: ''اگر اس وقت کوئی میری بات سننے والا ہوتا تو میں تقریر کرتا۔''

حاضرین میں سے کسی نے کہا: ''جناب! آپ کے سامنے ہزاروں طالب علم موجود ہیں۔''

افلاطون نے کہا: ''میں ہزار جیسا ایک چاہتا ہوں۔''

☆☆☆

نقشِ قدم

وسیم الرحمٰن ہاشمی

اچانک بریک چرچرائے اور جاوید صاحب کی گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ اِکا دُکا لوگ ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے لوگوں نے حیرت سے جاوید صاحب کی کار کی طرف دیکھا۔ یوں اچانک اور بلاضرورت بریک لگنے سے کار کے پہیوں سے نکلتی آواز سن کر لوگ حیران ہوئے اور کار کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ باہر کے لوگوں سے زیادہ کار کے اندر بیٹھا ہوا ننھا ارسل حیران تھا۔ ارسل، جاوید صاحب کا آٹھ سالہ بیٹا تھا۔ وہ حیرت سے بُت بنا بیٹھا تھا اور اپنے ابو جان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ارسل حیران ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت خوف زدہ بھی ہوگیا تھا، لیکن سب کچھ ٹھیک ٹھاک پا کر اُس کا خوف رفتہ رفتہ ختم ہوتا جا رہا تھا، لیکن حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

ارسل اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، اس لیے جاوید صاحب ارسل سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی ارسل کو اپنے سامنے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ ارسل کو صبح خود اسکول چھوڑنے جاتے، پھر دفتر میں چلے جاتے۔ دوپہر میں جب ارسل کی چھٹی ہوتی، وہ فوراً پہنچ جاتے اور ارسل کو گھر چھوڑتے۔ جاوید صاحب کا اپنا بزنس تھا، لہٰذا دفتری اوقات کے وہ پابند نہیں تھے۔ جاوید صاحب ارسل کے ساتھ بالکل دوستوں کی طرح کھیلتے تھے۔ اُس وقت ارسل بھول جاتا کہ وہ اُس کے ابو ہیں، بلکہ جاوید صاحب بھی اپنے اندر سے اس احساس کو مٹا دیتے کہ ارسل اُن کا بیٹا ہے۔ بس دونوں اچھے اور پکے دوست بن جاتے اور خوب کھیلتے۔ یہاں تک کہ کھیلتے کھیلتے ارسل کی پلکیں بھاری ہونے لگتیں اور وہ نیند کی وادیوں میں کھو جاتا۔

ارسل اپنے والد کے اس قدر قریب ہونے کے باوجود اُس وقت اتنا بھی نہ پوچھ سکا کہ ابو جان! ایسا بھی کیا ہوا کہ اچانک بریک لگا لیے۔ بس وہ چپ چاپ حیرت کی ایک خاموش تصویر بنا بیٹھا تھا اور بڑے غور سے جاوید صاحب کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُدھر جاوید صاحب کا یہ حال کہ اپنے اردگرد سے قطعاً بے پروا، خیالات کی دنیا میں کھو گئے تھے۔

اُن کی نظریں ونڈ اسکرین سے پار، ایک پیپل کے درخت کے نیچے جم کر رہ گئی تھیں، جہاں ایک بوڑھا فقیر اپنی جھولی پھیلائے، ہولے ہولے بھیک مانگ رہا تھا: ''اللہ ڈھیروں دے گا سائیں......!'' اور یہ صدا جاوید صاحب کو ماضی کی طرف دھکیل رہی تھی۔ انھوں نے گاڑی ایک طرف کنارے پر کھڑی کر دی۔ اُن کے ذہن میں پُرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ جاوید صاحب کے ذہن میں ایک فلم سی چلنے لگی۔ فلم میں اُن کی یادوں کا رُخ ان کے بچپن کی طرف مڑ گیا۔

اس وقت جاوید صاحب کی عمر آٹھ سال تھی۔ وہ اسکول کی تیسری جماعت کے طالب علم تھے۔ جاوید کے والد اکرام اللہ ایک مزدور تھے۔ مزدور تو مزدور ہوتا ہے، کبھی مزدوری لگ گئی اور کبھی نہ لگی۔ جس دن مزدوری لگ جاتی، اُس دن گھر میں روکھی سوکھی پک جاتی تھی، لیکن جس دن مزدوری نہ لگتی، وہ دن فاقے میں گزر جاتا۔ اکرام اللہ نے اتنے کٹھن حالات میں بھی اپنے بیٹے کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ اپنے بیٹے کو ایک بڑے آدمی کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اکرام اللہ کے اندر یوں ڈھیروں خوبیاں تھیں، لیکن ایک خوبی سب خوبیوں سے بڑھ کر تھی کہ وہ بڑے دل کے مالک تھے۔ صدقہ، خیرات کرنا اُن کا معمول تھا۔ انھوں نے کبھی کسی سائل کو خالی نہیں جانے دیا تھا۔ جیب میں جو تھوڑا بہت ہوتا، وہ فقیر کی جھولی میں ڈال دیتے۔ کبھی کبھار تو یہاں تک نوبت پہنچ جاتی کہ
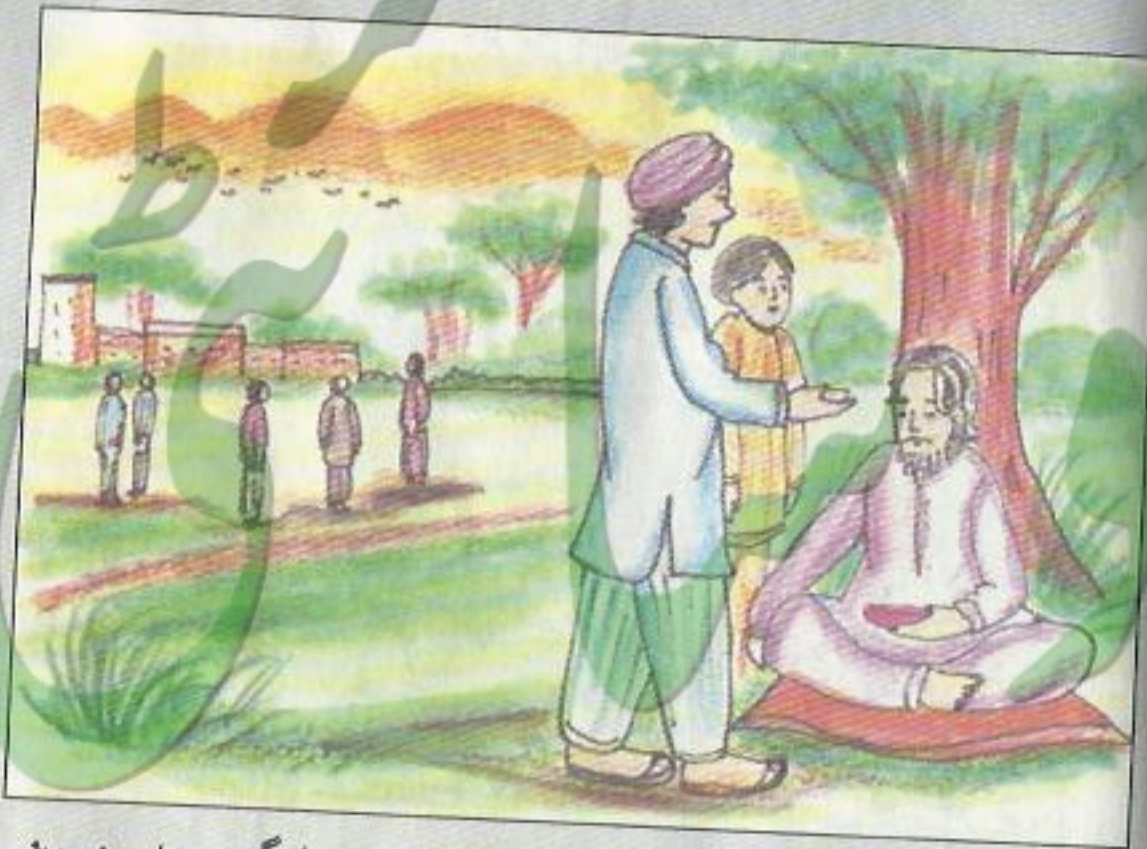
دن بھر کی آدھی کمائی تو کسی راہ چلتے فقیر کو دے دیتے۔ وہ اور ان کے گھر والے صرف اپنی آدھی بھوک مٹا پاتے۔

اکرام اللہ کا معمول تھا کہ صبح اپنے بیٹے جاوید کو خود اسکول چھوڑنے جاتے۔ ایک دن صبح صبح وہ جاوید کی انگلی تھامے اسکول چھوڑنے جا رہے تھے۔ انھوں نے گلی عبور کی۔ ابھی وہ مڑنا ہی چاہتے تھے کہ اُن کے کانوں میں ایک پُر درد صدا گونجی: ''اللہ ڈھیروں دے گا سائیں......!''

اکرام اللہ نے اپنی گردن گھمائی۔ چند گز کے فاصلے پر ایک پیپل کا درخت تھا۔ صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا سے پیپل کے درخت کی شاخیں جھوم رہی تھیں۔ درخت کے نیچے ایک فقیر اپنی جھولی پھیلائے درد بھری صدا لگا رہا تھا۔ اکرام اللہ سے رہا نہ گیا۔ اپنی جیب کو ٹٹولا، جیب میں چند سکے موجود تھے، انھوں نے جیب میں پڑے سکے فقیر کی جھولی میں ڈال دیے۔

لیکن اس دوران دو سکے اور بھی فقیر کی جھولی میں گرے تھے۔ اکرام اللہ نے نظریں اُٹھائیں، دیکھا کہ جاوید بھی اپنے جیب خرچ کے دو سکے فقیر کی جھولی میں ڈال چکا تھا۔ اکرام اللہ نے مسکرا کر جاوید کو دیکھا اور اُس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ اکرام اللہ کا دل خوش گوار احساسات سے لبریز تھا، کیوں کہ آج اُن کے بیٹے نے بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی ابتدا کردی تھی۔ اُس دن کے بعد تو یہ معمول بن گیا تھا۔ روزانہ صبح جاوید بھی جیب خرچ کے آدھے پیسے اُس فقیر کی جھولی میں ڈال دیتا۔ فقیر جاوید کو ڈھیروں دعائیں دیتا۔ وقت گزرتا رہا۔ دن ہفتوں میں بدلے، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں۔ جاوید بھی رفتہ رفتہ عمر کی سیڑھیاں پھلانگتا جا رہا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاوید نے خوب محنت کی۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا، وہ ہر ایک کو اُس کی محنت کا پھل دیتا ہے۔ جاوید کو بھی اُس کی محنت کا بہت اچھا پھل ملا تھا۔ آج وہ جاوید سے ”جاوید صاحب“ بن چکے تھے اور اُن کی کمپنی شہر کی بڑی کمپنیوں میں شمار ہوتی تھی۔ بچپن میں جاوید صاحب نے غریبوں، فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کرنے کی جو عادت اپنے والد سے سیکھی تھی، آج تک اُن سے یہ عادت نہیں چھوٹی تھی۔ جاوید صاحب کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ حاجت مندوں پر خرچ ہو جاتا۔

جاوید صاحب اچانک خیالات کی دنیا سے نکلے۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُترے اور پیپل کے درخت کی طرف دیکھا۔ اُن کی نظریں اُس بوڑھے فقیر پر جم کر رہ گئیں۔ سفید بکھرے بال، چہرے پر جھریاں ہی جھریاں، کانپتا جسم، خشک ہونٹ۔ وہ سب سمجھ گئے کہ یہ وہی فقیر ہے، جس کی جھولی میں پہلی بار انھوں نے سکے ڈالے تھے۔ آج برسوں بعد جاوید صاحب نے اُس فقیر کو دیکھا تھا۔ شاید اُس فقیر نے بھی برسوں بعد اس شہر کا رُخ کیا تھا اور اپنی پُرانی جگہ یعنی پیپل کے درخت کی چھاؤں میں دوبارہ آ بیٹھا تھا۔

جاوید صاحب چند لمحے تو اُس فقیر کو دیکھتے رہے، پھر وہ آگے بڑھے اور چند نوٹ

فقیر کی جھولی میں ڈال دیے، لیکن اس دوران چند اور روپے بھی فقیر کی جھولی میں گرے تھے۔ جاوید صاحب نے پلٹ کر دیکھا کہ ارسل بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی جیب میں موجود کچھ روپے فقیر کی جھولی میں ڈال چکا تھا۔ جاوید صاحب نے مسکرا کر ارسل کی پیٹھ تھپتھپائی اور اُن کا دل خوش گوار احساسات سے لبریز ہو گیا۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔

بھوکی بلی

جاوید بسام

بھوری بلی کے لیے اس دن کا آغاز ہی بُرا تھا۔ اس دن جب وہ معمول کے مطابق محلے کے دورے پر نکلی، جو راستوں، منڈیروں اور چھتوں پر مٹرگشت کرتی اور کھلے دروازوں، دریچوں اور روشن دانوں سے اندر جھانکتی چلی جارہی تھی۔ تو پہلی گلی میں ہی اس کی ملاقات ایک دوسری بلی سے ہوگئی۔ وہ اسے دیکھتے ہی غرائی اور ناراضی کا اظہار کیا۔ بھوری بلی نے دم ہلا کر اور گردن جھکا کر آہستہ سے میاؤں کی آواز نکالی، لیکن دوسری بلی نے دوستانہ رویے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ بھوری بلی اس سے لڑنا نہیں چاہتی تھی، لیکن مجبوراً اسے جواب دینا پڑا۔ دونوں غراتی ہوئی گھتم گھتا ہوگئیں۔ دوسری بلی بہت لڑاکا تھا۔ بھوری بلی کچھ دیر تو اس سے پنجہ آزما رہی تھی پھر موقع دیکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل تیزی

سے دھڑک رہا تھا۔ اس بلاوجہ کی لڑائی سے وہ پریشان ہوگئی تھی۔

خیر اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ دل ہلاتی اور گردن لچکاتی ان گھروں، دکانوں اور دفتروں کے آس پاس منڈلاتی رہی، جہاں اس کے قدردان اسے کچھ نہ کچھ کھانے کو دے دیا کرتے تھے، لیکن بدقسمتی سے اس دن اُسے اکثر دروازے، دریچے اور روشن دان بند ملے۔ جو کھلے تھے وہاں لوگ اپنے اپنے کاموں میں اس طرح مصروف تھے کہ کسی نے بھی اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ بے چینی سے گھومتی رہی، لیکن کھانے کو کچھ نہ ملا۔

یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ عرصہ ہوا اس نے کوڑا کرکٹ میں کھانا تلاش کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر اسے ایک جگہ بہت سی چڑیاں پانی پیتی نظر آئیں۔ پانی کسی کے گاڑی دھونے سے جمع ہوگیا تھا۔ وہ فوراً شکار کے لیے تیار ہوگئی۔ اس کا ایک پیر زمین سے اُٹھا ہوا تھا اور جسم ساکت تھا، لیکن چڑیوں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اُڑ کر تار پر جا بیٹھیں۔ وہ دیر تک انتظار کرتی رہی، لیکن وہ نیچے نہ آئیں۔ آخر مایوس ہو کر آگے بڑھ گئی۔

چلتے چلتے وہ پارک تک جا پہنچی۔ اس نے وہاں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت پارک میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دیوار سے لگی لگی آگے بڑھ رہی تھی۔ کچھ دور اسے گھاس پر بہت سی چڑیاں اور مینائیں کیڑے مکوڑے چگتی نظر آئیں۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور زمین سے چپک کر دبے پاؤں آگے بڑھی۔ قریب ہی پھول دار پودے اور جھاڑیاں تھیں۔ وہ ان میں رینگنے لگی۔ جھاڑیوں نے اس کے جسم کو آسانی سے چھپا لیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے کھسک رہی تھی۔ اس کے اور پرندوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تھا۔ وہ شکار کے لیے تیار تھی، لیکن کوئی موقع ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر اس کا وار خالی جاتا تو پرندے اُڑ جاتے اور دوبارہ نیچے نہ آتے۔ وہ انتظار میں تھی کہ کوئی شکار اس کے اتنے قریب آجائے کہ ناکامی کا اندیشہ نہ رہے۔ اس کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں اور

مونچھیں پھڑ پھڑا رہی تھیں۔

اس اثنا میں قدموں کی آہٹ ہوئی اور ایک بچہ وہاں چلا آیا۔ اس کے آنے سے تمام پرندے اُڑ کر درختوں پر جا بیٹھے۔ بلی نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ بچہ اس کے آگے سے دھیرے دھیرے چلتا سیمنٹ کی بینچ پر جا بیٹھا۔ وہ ایک صحت مند بچہ تھا۔ اس نے نیلی نیکر، بش شرٹ پہنی ہوئی تھی اور پیروں میں کالے جوتے تھے۔ وہ اُداسی سے سوچ میں گم بنچ پر بیٹھا تھا۔ بلی کچھ دیر تو جھاڑیوں میں چھپی رہی، پھر ٹہلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

اب شام ہونے والی تھی، سائے لمبے ہو رہے تھے اور بیری کے درخت پر چڑیاں چہک رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی آج کا دن بھی کتنا برا ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا، بلاوجہ کی لڑائی ہوئی اور آرام کا وقت بھی نہیں ملا۔ اسے نیند آنے لگی تھی۔ بنچ پر بیٹھے بچے کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔ وہ بے حد دکھی تھا، کیوں کہ فیس جمع نہ کرانے کی وجہ سے اسکول سے اس کا نام کاٹ دیا گیا تھا۔ دو مہینے پہلے اس کے ابو کی نوکری چھوٹ گئی تھی۔

اگرچہ وہ کوشش کرنے میں لگے تھے، لیکن اب تک نئی ملازمت نہیں ملی تھی۔ بچے کو اپنی جماعت اور ساتھی یاد آرہے تھے۔ اس کا گھر قریب ہی تھا۔ وہ جب بھی پارک میں آتا پھولوں، پودوں اور پرندوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا، لیکن آج اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

اچانک اسے پیروں میں کچھ محسوس ہوا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو بھوری بلی اس کے پاؤں سے اپنا جسم رگڑ رہی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرایا۔ بلی نے گردن اُٹھا کر کم زور آواز میں میاؤں کی آواز نکالی۔ بچے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ اُچک کر بنچ پر چلی آئی۔ بچہ پیار سے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بلی فرماں برداری سے دم ہلا رہی تھی۔ پھر اچانک وہ بنچ سے کودی اور دوڑتی ہوئی جھاڑیوں میں جا گھسی۔ وہ وہاں چھپی دھیرے دھیرے آوازیں نکال رہی تھی، کبھی کبھار پتوں میں سے سر باہر نکالتی اور پھر چھپ جاتی، ایک لخت وہ اُچھلی، ہوا میں قلابازی کھائی اور جھاڑیوں سے نکل کر سامنے گھاس پر جا لیٹی۔

بچہ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کھل اُٹھی تھی۔

پھر بلی نے ایک نیا کھیل شروع کیا۔ وہ گول گول گھوم کر اپنی دم پکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس دوروان اس کا جسم لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔ بچہ کھلکھلا کر ہنس دیا اور خوشی سے تالیاں بجانے لگا۔ آخر وہ دوڑتی ہوئی بنچ پر چڑھ آئی، لیکن وہاں رکی نہیں۔ ساتھ ہی ایک چھوٹے سے درخت کا تنا تھا وہ اس پر جا بیٹھی۔ بچہ ہنستے ہوئے بولا: ”مانو بلی! تم چڑھ تو گئیں، لیکن نیچے کیسے اُترو گی؟“ پھر وہ بنچ پر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ بلی کچھ تنے اور کچھ اس کے ہاتھ کا سہارا لیے ڈرتی ڈرتی نیچے چلی آئی۔ دونوں بنچ پر بیٹھ گئے۔ بچہ خوب ہنسا۔ بلی تھک چکی تھی اور دھیرے دھیرے سانس لے رہی تھی۔

بچہ شوخی سے بولا: ”میری پیاری دوست! تم بہت اچھی ہو۔ تم نے مجھے خوش کر دیا کچھ دیر پہلے میں اُداس تھا، لیکن تمھارا کھیل دیکھ کر میرا دل مسرت سے بھر گیا ہے۔ ایسی خوشی

تو مجھے نئی سائیکل ملنے پر بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ کھیل خاص میرے لیے تھا، کیوں کہ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

پھر وہ گہری سانس لے کر بولا: ''اب میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا، جس طرح اندھیرے کے بعد اُجالا آتا ہے۔ اسی طرح ہر مشکل، کوشش سے راحت میں بدل جاتی ہے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جلد میرے ابو کو ملازمت مل جائے گی، میں پھر اسکول جانے لگوں گا۔ اس کا ہاتھ بلی کے مخملی جلد پر تھا۔

بلی کی نظریں نیچے لگی تھیں۔ جہاں ایک چڑیا بے خیالی میں بہت قریب چلی آئی تھی، اتنے قریب کہ بلی ایک ہی جست میں پکڑ سکتی تھی، لیکن بچے کا ہاتھ اس کے اوپر تھا، وہ نہیں ہٹ سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اچانک بچہ چونکا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: ''اوہ! معاف کرنا مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔'' اس نے اُٹھ کر اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ چند ایک چھوٹے نوٹ اِدھر اُدھر سے نکل ہی آئے۔ ''تم ٹھہرو میں پانچ منٹ میں آیا۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ چند منٹ میں ہی واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذی گلاس تھا، جس میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ ''میری پیاری دوست! لو یہ دودھ پی لو، شاید تمھیں بھوک لگی ہو۔''

بھوکی بلی نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا اور سپڑ سپڑ دودھ پینے لگی۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

انقلابی شاعر حبیب جالب

افضال احمد خاں

اُس کی اماں بہت بہادر تھیں، کوئی بھی معاملہ ہو، فیصلہ کرتے دیر نہیں لگتی تھی۔ بڑے بیٹے کو پڑھا لکھا کر بابو بنا دیا تھا۔ پاکستان بنا تو کراچی آ گئیں۔ اب دوسرے بیٹے حبیب کی فکر زیادہ تھی۔ وہ شروع ہی سے پڑھائی میں دھیان کم لگاتا تھا۔ اماں محنت مزدوری کر کے اس کو افسر بنانا چاہتی تھیں، لیکن وہ شاعری کی طرف چل نکلا تھا۔ جہاں مشاعرہ ہوتا وہاں سے حبیب کو بھی دعوت آتی۔ اِدھر اماں بھی مشاعرہ میں پہنچ جاتیں حبیب شعر پڑھ کر اسٹیج سے اُترتا تو وہیں سب کے سامنے مارتے پیٹتے گھر لاتیں۔

آلو کی ٹکیاں (کباب) بنا کر دیتیں اور کہتیں: ''جا! بازار میں بیچ آ۔''

اور وہ بھی گردن جھکا کر چل پڑتا۔

آخر جب اس نے اپنی تعلیم پوری کر لی تو اماں نے بھی ڈنڈا ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے بعد تو وہ مشاعروں کی جان بن گیا اور اس کی شاعری نے دھوم مچا دی۔ غریب تھا، اس لیے غریبوں کی بات کرتا تھا اور حکمرانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

جانتے ہو آلو کے کباب بیچنے والا یہ لڑکا کون تھا؟

یہ مشہور انقلابی شاعر حبیب جالب تھے۔ ان کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

گمان تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقین مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

اقبال کی شاعری

شمس القمر عاکف

کتنے ہی شاعروں کی پڑھی شاعری
پر کسی کی نہیں آپ سی شاعری

دل کو بیدار کرتی ہوئی شاعری
ایسی ہوتی ہے بے شک بڑی شاعری

شعر جو دیکھیے اُس میں نکتہ نیا
علم و حکمت سے ہے یہ بھری شاعری

سوچ بھی خوب ہے، فن بھی شہ کار ہے
مت سمجھنا اسے تم بُری شاعری

اس کی تقدیر فوراً بدل جائے گی
قوم اپنائے گی جو یہی شاعری

بالِ جبریل ہو یا ہو بانگِ درا
جو بھی مجموعہ ہے، خوب کی شاعری

شعر اقبال کے پہلے اردو میں پڑھ
بعد میں دیکھنا فارسی شاعری

میں نے عاکف پڑھا خوب اقبال کو
مجھ کو تنکے میں تب مل گئی شاعری

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

سدرہ ریاض، رحیم یار خان
اقصیٰ ظہور، کراچی
سیدہ دریشہ انصار احمد، ملیر
انیلا محمود عالم انصاری، میرپور خاص
رافیعہ لقمان، کراچی
محمد سیف اللہ بھابڑوی، سرگودھا
ہنگر بہار، مکران
شیخ مائرہ عمران، کراچی
رجاء انوار، کراچی
سیدہ ثمین فاطمہ عابدی، پنڈدادن خان
کریم بخش پہوڑ، بلوچستان

سعدیہ کہاں گئی؟

سدرہ ریاض، رحیم یار خان

مریم خالہ کا نیا گھر بنا تو انھوں نے سارے خاندان کی دعوت کی تھی۔ سعدیہ بھی می، پاپا کے ساتھ خالہ کے گھر دعوت میں گئی۔ سب سے پہلے خالہ نے سارا گھر دکھایا، پھر دوپہر کا کھانا اور آخر میں چائے کا پروگرام تھا۔

خالہ سب مہمانوں کو گھر دکھانے لگیں تو سعدیہ بھی می کے ساتھ ساتھ موجود تھی۔ تیسری منزل پر پہنچ کر سب باتوں میں مگن ہو گئے۔

سعدیہ چار سال کی تھی۔ چھت پر ایک اسٹور نما کمرا تھا۔ سعدیہ اُس کمرے میں جا کر چیزوں کو دیکھنے لگی۔ خالہ کے گھر یہی جگہ سعدیہ کو سب سے زیادہ پسند آئی۔

گھر دکھانے کے بعد خالہ سب مہمانوں کو کھانے کے لیے نیچے لے گئیں اور تیسری منزل کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ سعدیہ کی امی مہمانوں سے گپ شپ میں مصروف تھیں کہ اچانک انھیں سعدیہ کا خیال آیا۔ وہ سعدیہ کو تلاش کرنے لگیں، مگر سعدیہ نہ ملی۔ اب تو سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ سعدیہ کو ہر جگہ تلاش کیا۔ گڈو ماموں نے موٹر نکالی اور سارے شہر کا چکر لگا لیا۔ مسجدوں میں اعلان کروائے۔

اب تو شام ہو گئی تھی، سعدیہ کی امی نے رو رو کر بُرا حال کر لیا تھا۔ مہمانوں نے بھی کھانا تک نہ کھایا۔ اچانک باہر کا دروازہ بجا۔

انکل نے دروازہ کھولا تو سامنے پلمبر کھڑا تھا۔ وہ اپنا کچھ سامان خالہ کے گھر رکھ گیا تھا اور اب لینے آیا تھا۔ انکل کے ساتھ پلمبر تیسری منزل پر گیا۔ اسٹور میں اُس کا سامان تھا۔

انکل نے جیسے ہی اسٹور کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہاں سعدیہ بے ہوش پڑی تھی۔ شاید خوف، اکیلے پن اور دیر تک رونے سے سعدیہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ انکل جلدی سے سعدیہ کو نیچے لے کر گئے۔ سعدیہ کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ممی اور پاپا کی جان میں جان آئی۔

ایثار

اقصیٰ ظہور، کراچی

عدنان نے گھر میں ایک توتا اور ایک مینا پال رکھی تھی۔ وہ ان کی خوراک اور تمام ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔

ایک دن عدنان نے اپنی جماعت میں ایک نئے لڑکے کو دیکھا، جو بہت چپ چپ تھا۔ عدنان اس لڑکے کے پاس گیا اور اس کے خاموش ہونے کی وجہ پوچھی تو لڑکے نے کہا: ''میری امی نے میری خواہش پر مجھے اسکول میں داخلہ تو دلوا دیا ہے، مگر ان کے پاس مجھے کتابیں دلانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ مجھے اپنی امی کی مجبوری کا اندازہ ہے، اس لیے اُداس ہوں۔''

عدنان نے اس لڑکے سے کہا: ''اُداس اور مایوس نہ ہو، اللہ پر بھروسا رکھو، وہ سب ٹھیک کر دے گا۔''

گھر پہنچ کر عدنان نے اس کی مدد کرنے کے بارے میں سوچا۔ اسی وقت اس کی نظر توتے اور مینا پر پڑی۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ ان دونوں کو کھانے کے لیے کچھ دینا ہی بھول گیا۔

رات کو عدنان نے اپنی امی سے کہا: ''امی! میں اپنے توتے اور مینا کو بیچنا چاہتا ہوں، کیوں کہ میری جماعت میں ایک نیا لڑکا آیا ہے، جس کے پاس کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں، میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ توتے اور مینا کو بیچ کر اس کے لیے کتابیں خرید سکوں گا۔''

عدنان کی امی اپنے بیٹے کا جذبہ دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو گئیں۔

دوسرے دن عدنان اپنی امی کے ساتھ بازار گیا۔ اس نے توتا اور مینا بیچ کر نئی کتابیں خریدیں اور اگلے دن اس لڑکے کو دے دیں، جس کی مایوس اور خاموش نگاہوں نے اسے بہت دکھ دیا تھا۔ وہ لڑکا اب اس کا بہترین دوست بن گیا۔

بے نقط کہانی

سیدہ وریشہ انصار احمد، ملیر

ایک گلہری دوڑ کر آم اور امرود لائی۔ لال لال، گورے گورے امرود۔ کوے کے ڈر سے گلہری کھسک کر دور ہو گئی، مگر کوا، کوا ہے، اُڑ کر گلہری کے کاٹا اور آم لے اُڑا، مگر آم دور گرا۔ سو گلہری اسے لے کر کھا رہی ہے۔

کوا آ دھمکا اور آم اُٹھا کر لے اُڑا۔ گلہری امرود کے واسطے لوٹی۔ اسے الٹ الٹ کے دور لے گئی۔ اِدھر سے گلہری کو اک آدمی دِکھا۔ گلہری کے واسطے اس کے آگے املی ڈالی۔ گلہری ڈر گئی۔

اِدھر کوا، اُدھر آدمی۔ وہ اس طرح گھر کر سہم گئی۔ آم، املی اور امرود دھرے رہ گئے اور گلہری ڈر کر سو گئی۔

کتاب

انیلا محمود عالم انصاری، میرپور خاص

دوست ہے اس کا ایک زمانہ
بند ہے اس میں ایک خزانہ
اس سے پڑھنا لکھنا آئے
قوموں کی تقدیر بنائے
سارے جگ میں اس کی خوشبو
اس سے پھیلی دولت ہر سُو
اس سے روشن دن اور رات
رہتی ہے یہ ہر دم ساتھ
کیسی اچھی ہے یہ کتاب
ہمیں سکھائے جو آداب

خوش اخلاق شہزادی

رافیعہ لقمان، کراچی

کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام مسکان، منجھلی بیٹی کا نام نایاب اور چھوٹی بیٹی کا نام

نور تھا۔ بادشاہ کی بڑی اور چھوٹی بیٹی بہت ہی خوب صورت اور حسین تھیں، جب کہ نایاب عام سی شکل و صورت والی لڑکی تھی۔ دونوں خوب صورت شہزادیوں کو خود پر بہت غرور تھا۔ نایاب کو بادشاہ کے سب دوست احباب اور رشتے دار بہت پسند کرتے تھے، کیوں کہ وہ اخلاق کی بہت اچھی تھی۔ بادشاہ اپنی تینوں بیٹیوں سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اُسے نایاب سے اس کے اخلاق کی وجہ سے زیادہ محبت تھی۔

ایک دن بادشاہ کو پتا چلا کہ اُس کی رعایا میں ایک ایسا شخص آیا ہے، جو قسمت کا حال بتاتا ہے۔ بادشاہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ شہزادی مسکان اور شہزادی نور کی بد اخلاقی کی وجہ سے ان کی شادی بہت مشکل سے معمولی جگہ پر ہوگی، تاہم شہزادی نایاب کی شادی ایک نیک اور دولت مند انسان سے ہوگی، جو شہزادی سے بہت محبت کرے گا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اُس شخص کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔

کچھ دنوں بعد ایک دوسرے ملک کا شہزادہ سیر کرتا ہوا وہاں آیا۔ اُسے پتا چلا کہ بادشاہ کی تین بیٹیاں ہیں اور بادشاہ ان کی شادی کی فکر میں ہے۔ وہ بادشاہ کے دربار میں گیا۔

بادشاہ کی تین بیٹیاں وہیں موجود تھیں۔ شہزادے نے دیکھا کہ ان میں سے دو تو نہایت ہی حسین اور خوب صورت ہیں، جب کہ ایک خوب صورت نہیں بہت ہی کالی ہے۔ اُس نے اُن تینوں سے بات کی تو اُسے شہزادی نایاب کی باتوں اور اخلاق نے بہت متاثر کیا اور اُس نے سوچ لیا کہ وہ اسی سے شادی کرے گا۔ اس نے بادشاہ سے بات کی تو بادشاہ راضی ہوگیا اور جلد ہی اُن دونوں کی شادی بہت دھوم دھام سے کرادی۔ شہزادی نایاب خوشی خوشی زندگی گزارنے لگی۔

دعا

محمد سیف اللہ بھابڑوی، سرگودھا

ہر اک دل ہر جان کے والی
سب سے تیری شان نرالی
ہر اک کا ہے تو ہی داتا
ہر اک شے ہے تو نے پالی
ہر شے تیری حمد ہے کرتی
پودے، پتھر، پھل اور ڈالی
جھولی بھر دے علم سے مولا!
کر دے میرا رتبہ عالی

پٹرولیم

ہنگر بہار، مکران

پٹرولیم یا معدنی تیل زمین کے نیچے پائے جانے والے خام تیل کو کہتے ہیں۔ خام تیل سے پٹرول، ڈیزل، آئل، مٹی کا تیل اور دوسری اشیا حاصل کی جاتی ہیں۔ پٹرولیم کو سیال سونا بھی کہا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں پٹرولیم کی دریافت ہوئی تھی۔ پٹرولیم کی عالمی تنظیم O-P-E-C یعنی OIL PRODUCING AND EXPORTING COUNTRIES ہے۔

یہ تنظیم ۱۹۶۰ء میں تشکیل دی گئی تھی۔ پٹرولیم روس، امریکا، ایران، سعودی عرب، میکسیکو، عراق، کویت، نائیجیریا، الجیریا، وینزویلا، لیبیا اور آذربائیجان میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

پٹرولیم گاڑیوں، بسوں، موٹر سائیکلوں اور ہوائی جہازوں کے ایندھن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آج کل کہیں بھی آنا جانا بہت آسان ہے۔ اسے گھریلو اور مقامی طور پر ایندھن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور مختلف ادویہ کی تیاری میں بھی ماہرین اس کا استعمال کرتے ہیں۔ پٹرولیم ایک مفید چیز ہے۔ اس کی وجہ سے ہماری زندگی میں بہت تبدیلی آئی ہے۔

قیمتی ہیرا

شیخ مائرہ عمران، کراچی

سلطان محمود غزنوی کا ایک خادم تھا، جس کا نام ایاز تھا۔ سلطان اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ سلطان کے دل میں ایاز کی قدر و منزلت اپنے سب امیروں، وزیروں سے زیادہ تھی۔ سلطان کے امیر، وزیر اور دوسرے درباری ایاز سے بہت حسد رکھتے تھے، کیوں کہ سلطان ان کے مقابلے میں اپنے ایک معمولی خادم کی زیادہ عزت کرتا تھا۔ وہ سلطان کے ڈر سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، مگر اس بات کا موقع ضرور ڈھونڈتے رہتے تھے کہ کسی طرح

ایاز کو سلطان کی نظروں سے گرادیں۔

ایک روز سلطان دربار میں بیٹھا تھا اور اس کے تخت کے پیچھے اس کا خادم ایاز کھڑا تھا۔ دربار میں سب امیر، وزیر اپنے اپنے مرتبے اور عہدے کے لحاظ سے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اس وقت سلطان کی ہتھیلی پر قیمتی ہیرا رکھا ہوا تھا اور وہ اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سلطان کے خزانے کا سب سے قیمتی ہیرا تھا۔

سلطان کچھ دیر تک ہیرے کو دیکھتا رہا، ہیرے کو اپنے پاس بیٹھے ہوئے وزیر کی طرف بڑھا دیا۔ وزیر نے ادب سے ہیرا لے کر اسے دیکھا اور پھر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا: ''یہ شاہی خزانے کا سب سے قیمتی ہیرا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہیرا اور کسی بادشاہ کے خزانے میں نہیں ہوگا۔''

سلطان نے وزیر کی تعریف سن کر کہا: ''ہیرے کو توڑ ڈالو۔''

وزیر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہنے لگا: ''توبہ، توبہ حضور! میں ایسے قیمتی ہیرے کو توڑنے کی گستاخی نہیں کرسکتا۔''

سلطان نے ہیرا اس وزیر کے ہاتھ سے لے کر ایک اور وزیر کو دیا۔ اس نے بھی ہیرے کی تعریف کی۔ سلطان نے اسے بھی ہیرا توڑنے کا حکم دیا اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے وزیر نے دیا تھا۔

سلطان نے اس طرح وہ ہیرا اپنے تمام درباریوں میں گھمایا۔ سب امیروں، وزیروں نے اس کی تعریف کی، مگر اسے توڑنے سے انکار کردیا۔

تمام درباریوں میں گھمانے کے بعد سلطان نے وہ ہیرا ایاز کو دکھایا۔ دوسرے درباریوں کی طرح اس نے بھی ہیرے کی تعریف کی۔ اس کے بعد سلطان نے اس کو بھی وہی حکم دیا: ''ایاز! اس ہیرے کو توڑ ڈالو۔''

ایاز نے اسی وقت ہیرا فرش پر رکھا اور ایک پتھر اس قدر زور سے مارا کہ ہیرا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور اس کے ریزے فرش پر بکھر گئے۔

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ سارے امیر، وزیر حیرت اور غصے سے ایاز کی طرف

دیکھ رہے تھے۔ آخر ایک وزیر نے کہا: ''یہ تم نے کیا حرکت کی؟ ایسا قیمتی ہیرا ضائع کردیا۔ کچھ تو خیال کیا ہوتا۔''

ایاز نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''میرے آقا کا حکم ہی زیادہ قیمتی ہے۔ سلطان کے حکم کے سامنے یہ ایک ہیرا کیا، دنیا بھر کے ہیروں کی کوئی قیمت نہیں۔''

یہ سن کر سلطان بہت خوش ہوا، پھر اُس نے اپنے درباریوں سے کہا: ''کیا اسی لیے تم ایاز سے حسد کرتے ہو؟ تم نے ہیرے کی قیمت کا خیال کیا، مگر میرے حکم کا کوئی خیال نہیں کیا۔ ایاز نے ہیرا ضرور توڑا ہے، لیکن میرا حکم نہیں توڑا۔ یہی وہ خوبی ہے، جس کی وجہ سے میں اسے عزیز رکھتا ہوں۔''

سرسید احمد خاں

رجاء انوار، کراچی

سرسید احمد خاں اُس دور کے ایک غیر معمولی انسان تھے، جب ہندستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس تاریک دور میں سرسید احمد خاں روشنی کی کرن ثابت ہوئے۔ پہلے سرسید احمد خاں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قائل تھے، لیکن جب سرسید احمد خاں نے ہندوؤں کے رویے کا مشاہدہ کیا تو انھیں اندازہ ہوا کہ یہ ہم سے الگ قوم ہے۔ انھوں نے دو قومی نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق مسلمان اور ہندو دو علاحدہ قومیں ہیں۔

سرسید احمد خاں وہ پہلے رہنما تھے، جنھوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے لفظ ''قوم'' کا استعمال کیا۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ پہلے تعلیم حاصل کرو، پھر سیاست میں شمولیت اختیار کرکے معاشرے میں اپنی پُرانی حیثیت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں پر واضح کیا کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو تنزلی کا سامنا کرنا پڑا۔ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو بیدار کرکے ان میں

آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ سرسید احمد خاں اور ان کے بعد آنے والے دوسرے عظیم رہنماؤں کی کوششوں سے مسلمان منظم اور متحد ہوگئے اور ایک آزاد مملکت ''پاکستان'' حاصل کر کے اپنی شناخت بنائی۔

آج پھر ہم اپنے اطراف نظر دوڑائیں تو وہی اسباب سامنے آ رہے ہیں، جن کی سرسید احمد خان نے نشان دہی کی تھی اور مسلمان تنزلی کا شکار ہوئے تھے۔ آج اگر ہم غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ آج پھر مسلمان غفلت کا شکار ہیں۔ آج ہمیں پھر ایک سرسید احمد خاں کی ضرورت ہے، جو مسلمانوں کی رہنمائی کرے اور انھیں صحیح راستہ دکھائے۔

ظالم بادشاہ

سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان

کسی ملک کا بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ وہ رعایا پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔ اس نے بہت سے بے قصور لوگوں کو قید میں ڈال رکھا تھا۔ ایک دفعہ اس کے بدن پر ایک موذی پھوڑا نکل آیا، جو کسی طرح کے علاج سے ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی تکلیف سے بادشاہ بے قرار رہتا تھا۔

ایک درباری نے اس سے کہا: ''جہاں پناہ! اس شہر میں ایک اللہ والے بزرگ رہتے ہیں۔ ان کی دعا سے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔ اگر آپ ان سے دعا کرائیں تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور شفا دے گا۔''

بادشاہ خود ان بزرگ کے پاس گیا اور دعا کی درخواست کی۔ بزرگ نے بادشاہ سے کہا: ''اے بادشاہ! میری دعا تیرے لیے کب مفید ہوگی، جب کہ بے قصور لوگ تیرے ہاتھوں قید و بند کی سختیاں جھیل رہے ہیں۔ ان کی بد دعائیں تیرا پیچھا کر رہی ہیں۔ جب تک تُو ان مظلوموں پر رحم نہیں کرے گا، خدا بھی تجھ پر رحم نہیں کرے گا۔''

بادشاہ پر بزرگ کی باتوں کا بہت اثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جلد تحقیق کی جائے اور جتنے بھی قیدی بے قصور ہیں، ان کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ جب سب بے قصور قیدی رہا ہو گئے تو اللہ کے اس نیک بندے نے بارگاہِ الٰہی میں

نہایت عاجزی سے دعا کی: ''الٰہی! تُو نے اس کو نافرمانی میں پکڑا ہے، اب اس نے اطاعت اختیار کی ہے تو تُو بھی اس پر رحم فرما۔''

بزرگ کی دعا سے چند روز میں ہی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو شفا دے دی۔

ایک دن بادشاہ پھر بزرگ کے پاس پہنچ گیا اور نوکروں کو حکم دیا کہ بزرگ پر زر و جواہر نچھاور کیے جائیں۔

بزرگ نے جواہر دیکھ کر نرم لہجے میں کہا: ''اے بادشاہ! مجھے ان کی حاجت نہیں۔ اس دولت سے تو عوام کی بھلائی کے شفا خانے اور مدرسے بنا دے، تاکہ تُو دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت میں بھی کامیاب ہو جائے۔''

محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی

کریم بخش پھوڑ، بلوچستان

اسماعیل ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتا تھا۔ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا والد مزدوری کرتا تھا، لیکن اس کے والد کی بُری عادت تھی کہ وہ اکثر جوا کھیلتا اور سارے پیسے جوے میں اُڑا دیتا تھا، اس لیے ان کے گھر کا خرچ بڑی مشکل سے چلتا تھا۔ کئی کئی دن فاقوں میں گزر جاتے۔ اسماعیل کو پڑھنے کا بہت شوق تھا، لیکن اُس کے پاس کتابیں اور کاپیاں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ اسماعیل کے بار بار اصرار پر اس کی ماں نے اُسے قصبے کے اسکول میں داخل کروایا۔ اسماعیل جب بھی پھٹے پُرانے کپڑوں میں اسکول جاتا، وہاں کے بچے اُس کا مذاق اُڑاتے اور اس پر طعنے کستے۔ اس بات سے اسماعیل اکثر رنجیدہ ہو جاتا، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔

وہ صبح اسکول جاتا اور شام کو چھولے بیچتا۔ اُسی پیسوں سے وہ اسکول کی یونی فارم، کاپیاں اور پین خریدتا اور تھوڑے پیسے بچا کر اپنی ماں کو بھی دیتا۔ اسماعیل نے اپنے قصبے کے گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسماعیل کے گاؤں میں کوئی کالج نہ تھا اور اس کے پاس دوسرے شہر جا کر پڑھنے کے لیے پیسے نہ تھے۔ میٹرک کے بعد وہ اُداس رہنے لگا تھا، کیوں کہ وہ آگے پڑھنا چاہتا تھا، لیکن اُس کے پاس اخراجات کے لیے پیسے

نہیں تھے۔

اسماعیل کے ساتھ اُس کی ماں بھی پریشان رہتی تھی۔ ایک دن اسماعیل کی ماں اُس کے پاس آئی اور اس کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے بولی: ''بیٹا! اُداس مت ہو۔ کوئی بات نہیں، تم اس سال یہاں محنت مزدوری کر کے پیسے اکھٹے کرو اور اگلے سال پڑھنے کے لیے شہر چلے جانا۔''

اگلے ہی دن سے اسماعیل صبح شام مزدوری کرنے لگا، جس سے گھر کا خرچ دیتا اور اپنی پڑھائی کے لیے پیسے بھی اکھٹے کرتا۔ اُس نے ایک سال تک خوب محنت کی اور پڑھائی کے لیے پیسے جمع کر لیے۔ اگلے سال وہ پڑھائی کے لیے شہر چلا گیا۔ اسماعیل بہت محنتی تھا۔ وہ صبح کالج جاتا اور رات کو ایک اخبار کے دفتر میں کام کرتا۔ اُس نے دن رات محنت کر کے اپنی تعلیم مکمل کی۔ ایک دن اخبار میں پبلک سروس کمیشن نے لیکچرار کی بھرتی کے لیے اشتہار دیا، جس میں اسماعیل نے بھی اپنے کاغذات داخل کرے اور خوب تیاری کی۔

آخر اسماعیل کی برسوں کی محنت اور لگن رنگ لائی اور وہ لیکچرار کے ٹیسٹ اور انٹرویو میں پاس ہو گیا اور اب وہ لیکچرار کے عہدے پر فائز ہے۔ اب اُس کے کلاس فیلو جو کبھی اُس کا مذاق اُڑاتے تھے، اُسے ''صاحب'' کہہ کر بلاتے ہیں اور وہ اپنی کہی ہوئی باتوں پر شرمندہ ہوتے ہیں۔ ☆

ہر مہینے ہزاروں تحریریں

ہمدرد نونہال میں شائع ہونے کے لیے ہر مہینے ہزاروں تحریریں (کہانیاں، لطیفے، نظمیں اور اشعار) ہمیں ملتی ہیں۔ ان میں سے جو تحریریں شائع ہونے کے قابل نہیں ہوتیں ان تحریریں کے نام ''اشاعت سے معذرت'' کے صفحے میں شائع کر دیے جاتے ہیں۔ لطیفوں، چھوٹی تحریروں اور اقتباسات وغیرہ) کے نام اس صفحے میں نہیں دیے جاتے۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہم سے خط لکھ کر سوال نہ کریں۔ ایسے خطوں کے جواب سے وقت بچا کر ہم اسے رسالے کو زیادہ بہتر بنانے میں خرچ کرتے نا چاہتے ہیں۔ ☆

بیت بازی

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو، مسلمان بھی ہو؟

شاعر: علامہ اقبال — پسند: سین محسن، کراچی

پروانہ اک پتنگا ، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب ، یہ روشنی سراپا

شاعر: علامہ اقبال — پسند: عائشہ خالد، کراچی

مصائب میں اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے دشواریوں میں اشک برسانا نہیں آتا

شاعر: یاس یگانہ — پسند: فریحہ عمر بخش، حیدر آباد

تمام عمر یہ دل ہی ہمارا رہبر تھا
نہ ہم سمجھ کے چلے اور نہ سوچ کر ٹھہرے

شاعر: صبا اکبر آبادی — پسند: محمد اکرم وارثی، کراچی

اس علم و فن کے شہر میں اب جہل کا ہے دور
علم و ادب کی روشنی لائیں کہاں سے ہم

شاعر: سید ظہور مہدی — پسند: کومل ظہیر، لیاقت آباد

دم توڑتے لوگ اب بھی یہی سوچ رہے ہیں
اے ارضِ وطن! خوں کی ضرورت تو نہیں ہے

شاعر: آصف رضا رضوی — پسند: شاہ زیب، حسین آباد

جسے دیکھو، سجائے پھر رہا ہے کاغذی چہرے
فریبِ دیدہ و دل کی فراوانی ہے اور ہم ہیں

شاعر: عارف صدیقی — پسند: نادر علی گمسی، مستونگ

سب لوگ اپنے آپ میں ہیں یوں مگن شمیم
لگتا ہے سارے شہر میں خود غرض بس گئے

شاعر: ڈاکٹر شمیم ہاشمی — پسند: جمال صدیقی، بلتستان

بستی میں جب کہ شعلے ہی شعلے ہیں ہر طرف
پھر کس طرح کہیں کہ اُجالا نہیں رہا

شاعر: ظفر اقبال ظفر — پسند: آصف علی، نیو کراچی

لہو میں اس کے سب اوصاف ہیں اسلاف کے شامل
اگر مجبور بھی ہوگا ، شرافت کیسے چھوڑے گا

شاعر: ظفر مراد آبادی — پسند: شوکت علی، ایبٹ آباد

ہمیں خبر ہی نہ تھی ان بدلتے تیور کی
وہ خوش گماں بھی کبھی ہم سے بدگماں ہوگا

شاعر: ڈاکٹر محمد امین — پسند: شاہ اکرم، کوٹ ادو

بچوں کی ضد کے آگے جھکنا بھی مصلحت ہے
ایسا بھی کر دکھانا ، لیکن سنبھل سنبھل کر

شاعر: منظر عاشق ہرگانوی — پسند: عائشہ اسلم، شریف آباد

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

شاعر: منیر نیازی — پسند: اسد علی، لاڑکانہ

حکیم دکھ بھی ضروری ہیں زندگی کے لیے
خزاں رتوں میں بھی خواہشِ بہار نہ کر

شاعر: حکیم خاں حکیم — پسند: حماد احمد، اٹک

علم و حکمت آزاد فضاؤں میں پروان چڑھتے ہیں

رپورٹ:
حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترمہ طاہرہ لطیف، محترمہ نور قریشی اور نونہال مقررین

ہمدرد نونہال اسمبلی میں اس بار موضوع تھا:

''علم و حکمت آزاد فضاؤں میں پروان چڑھتے ہیں'' (قولِ سعید)

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی محترمہ طاہرہ لطیف (رکنِ ایوانِ بالا و معروف ماہرِ تعلیم) تھیں۔ اسپیکر لاریب امجد تھیں۔ نونہال حافظ طیب طحامی نے تلاوتِ قرآنِ مجید اور ترجمہ، نونہال سلمیٰ سلیم اور صائمہ سلیم نے حمدِ باری تعالیٰ اور نونہال عمیر فاروق نے نعتِ رسولِ مقبول ؐ پیش کی۔ نونہال مقررین میں اریبہ نوید، فاطمہ خالد، شاہ ریاض، چندا ریاض اور عائشہ جاوید شامل تھے۔ اس موقع پر نونہالوں نے ایک خوب صورت ملی نغمہ، ایک پُر اثر خاکہ اور خوب صورت ٹیبلو بھی پیش کیا۔

صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ تاریخ، جغرافیہ، طب، ٹیکنالوجی اور دیگر متعدد سائنسی علوم سمیت علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں ہمارے بزرگوں نے کارہائے نمایاں انجام نہ دیے ہوں۔ ہم اگر غور کریں تو یہ تمام کام یا بیاں ذہنی آزادی ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی ہیں۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کا قول ہے کہ

''علم و حکمت آزاد فضاؤں ہی میں پروان چڑھ سکتے ہیں
غلامی میں علم کی ہر شاخ سوکھ جاتی ہے''

حکمت مسلمانوں کی کھوئی ہوئی میراث ہے، وہ جہاں کہیں سے بھی ملے، اسے حاصل کر لینا چاہیے، لیکن کیا آج ہم علم میں پیچھے نہیں رہ گئے؟ ضروری ہے کہ ذہنی آزادی حاصل کی جائے تاکہ ہم کسی دباؤں کے بغیر حصولِ علم کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو کام میں لا سکیں۔ کوئی ہمیں ہدایت نہ دے کہ ہمیں کیا سیکھنا چاہیے۔ آیئے ہم سب عہد کریں کہ ہم پوری ذہنی آزادی اور اعتماد کے ساتھ علم و حکمت کی نازک شاخوں کو تناور درخت میں تبدیل کریں گے۔

مہمانِ خصوصی محترمہ طاہرہ لطیف نے کہا کہ حکیم صاحب کا یہ کہنا تھا کہ اگر لوگ اسلام اور حضور اکرمؐ کی تعلیم اور حضورؐ کے احکام کے مطابق عمل کریں تو دنیا سے لڑائی اور بدامنی ختم ہو جائے۔ ''جیو اور جینے دو'' کے علاوہ احترام اور باہمی رواداری جیسے اقوال اپنا لیے جائیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ آج عہد کریں کہ ہم سب امن و آشتی سے رہیں گے۔

آخر میں نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے گئے اور دعائے سعید پیش کی گئی۔ ☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

مصوری لکیروں کا کھیل ہے۔ اس کھیل کو بھی مہارت ہی سے جیتا جا سکتا ہے۔ مختلف ڈیزائن بنانے کے لیے مختلف طرز کی لکیروں سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً نوک دار، چھلے دار، پیچ دار، خم دار اور عمودی، اُفقی لکریں۔ یہاں مختلف لکیروں کی مدد سے ایک ڈیزائن بنا کر اس میں رنگ بھرے گئے ہیں۔

یہ ڈیزائن تکیے کے غلاف کے لیے بہت مناسب ہے۔ ☆

دو نکمّے

محمد اقبال شمس
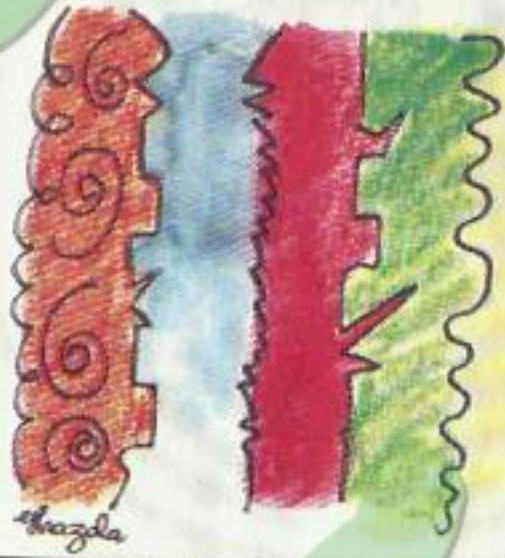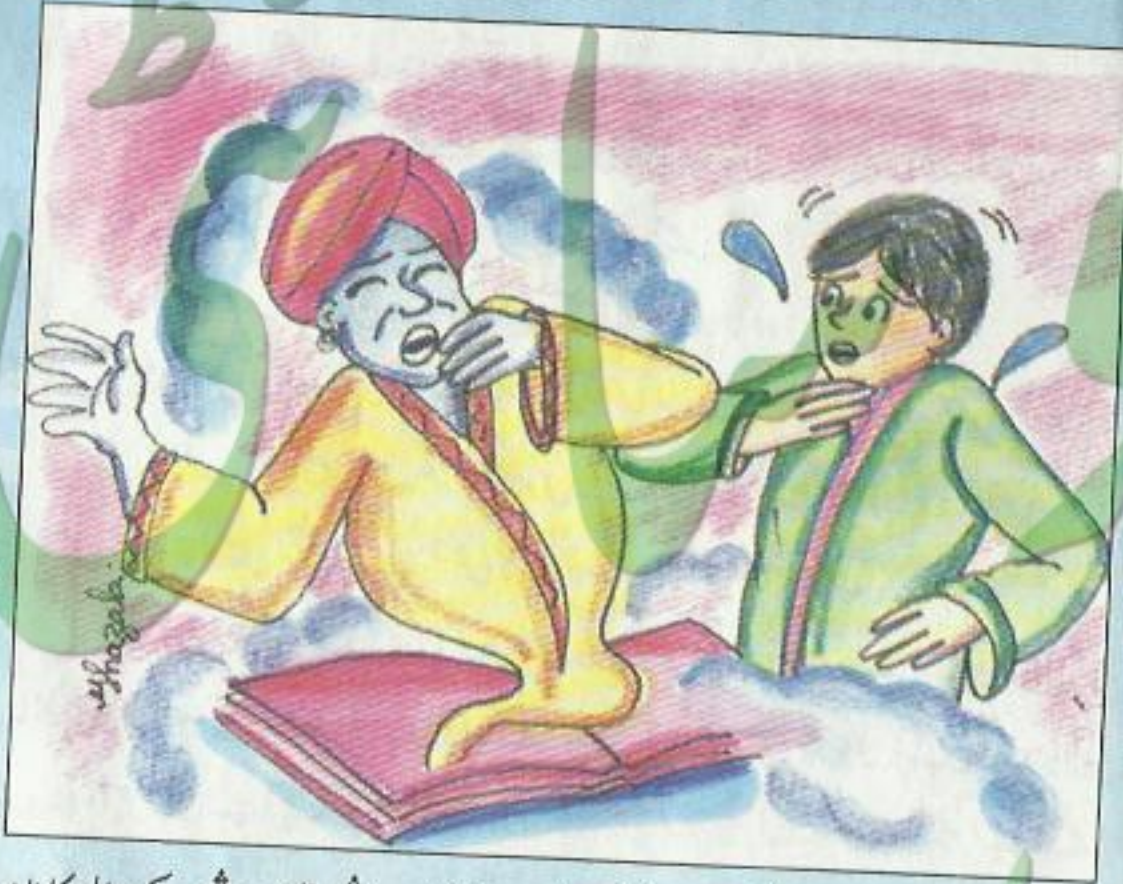
کسی گاؤں میں ایک لکڑ ہارا رہا کرتا تھا۔ اس کا نام روشن تھا۔ روشن کے والد کا نام چراغ تھا، اس لیے لوگ اسے روشن چراغ کے نام سے پکارتے تھے۔ لکڑیاں کاٹنا ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ روشن کا باپ بڑھاپے کی وجہ سے کم زور ہو گیا تھا۔ اس کی والدہ کا انتقال کافی عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔ چراغ اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی ہڈیوں میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹے، اس لیے اب ساری ذمے داری روشن کے کاندھوں پر آ گئی تھی، مگر وہ سوچا کرتا کہ کاش اس کے پاس الہ دین کا چراغ ہوتا تو جن کو حاضر کر کے لکڑیاں کاٹنے کا مشقت والا کام اس سے کراتا اور خود سکون کی زندگی گزارتا۔

ایک دن روشن کو معلوم ہوا کہ برابر والے گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں جو

چچا چغتائی کے نام سے مشہور ہیں اور ان کے قبضے میں کئی جن ہیں۔ اس نے سوچا کہ وہ جن کو قابو میں کرنے میں اس کی ضرور مدد کریں گے۔ آخر وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خواہش بیان کی۔ اس کی بات سن کر وہ بولے: ''میاں! یہ تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو؟ کسی کو غلام بنانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ انسان کی طرح خدا کی ہر مخلوق کو آزاد رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میرے قبضے میں جو جن ہیں میں انھیں اپنی ذاتی ضروریات کے لیے استعمال نہیں کرتا، بلکہ میں ان سے انسانیت کو فائدہ پہنچاتا ہوں۔ ان کے ذریعے سے انسانوں کے مسئلے حل کرتا ہوں۔ جن کو قابو کر کے تم کیا کرو گے؟''

وہ بولا: ''دراصل میں ایک لکڑہارا ہوں۔ لکڑیاں کاٹنا ایک مشقت سے بھرپور کام ہے۔ میں جن کو قابو میں کر کے اپنے مشکل کام کو آسان بنانا چاہتا ہوں۔''

بزرگ نے روشن کو بہت سمجھایا کہ وہ اس کام سے باز رہے، مگر وہ نہ مانا۔ آخر ان کو ہار ماننا پڑی۔ انھوں نے الماری کے اوپر سے صندوق اُتارا۔ اس میں کئی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ اس میں سے ایک کتاب نکال کر اس کی ورق گردانی کرتے رہے۔ پھر ایک صفحے پر ان کے ہاتھ رک گئے۔ وہ بولے: ''یہ کتاب لو اس میں جن پر قابو پانے کا مکمل طریقہ درج ہے، مگر خیال رہے یہ کام ہے بہت مشکل اور کافی محنت طلب، سخت محنت طلب!''

وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا: ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ عمل میرے بدلے کوئی اور کر لے؟''

وہ بولے: ''پھر یہ جن بھی اسی کے قبضے میں آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں کر لوں گا۔'' اس نے کتاب میں سے طریقہ نقل کیا اور سوچا کہ بس ایک بار محنت کرنی ہے اور پھر آرام ہی آرام۔

اس نے عمل شروع کر دیا۔ آخر جس کا انتظار تھا وہ دن آ ہی گیا۔ عمل پورا ہوا اور

جن اس کے قبضے میں آ گیا۔ پہلے پہل ایک دھواں سے اسے دکھائی دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دھویں نے ایک جن کی شکل اختیار کر لی۔ شروع میں اسے ڈر سا تو محسوس ہوا، مگر دھیرے دھیرے ڈر پر اس نے قابو کر لیا۔ جن نے نمودار ہوتے ہی ایک لمبی جماہی لی اور بولا: ''ایک تو انسانوں کو ہم جنات کو قابو میں کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے کتنی میٹھی نیند سو رہا تھا، مجھے نیند سے اُٹھا کر غلام بنا لیا۔''

روشن رعب جماتے ہوئے بولا: ''دیکھو! اب تم میرے غلام ہو اور میں جو کہوں گا اسے پورا کرنا پڑے گا۔''

جن بولا: ''واہ! ذرا سا عمل کر کے مجھے غلام بنا کر سوچتے ہو کہ میں تمھارا حکم مانوں گا۔ ذرا اپنے دل سے پوچھو کہ جس رب نے تمھیں پیدا کیا ہے اس کا کتنا حکم مانتے ہو جو مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں تمھارا ہر حکم مانوں؟''

یہ سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

جن دوبارہ بولا: ''دیکھو مجھے سخت نیند آرہی ہے اور میں سونے جا رہا ہوں۔ مجھے تین دن سے پہلے نہ اُٹھانا۔'' یہ کہہ کر وہ خراٹے لینے لگا۔

اس نے سوچا تین دن بعد ہی سہی، اس کے بعد اپنے سارے کام اسی سے کروانے ہیں۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر آ گیا۔ اس نے جن کو قابو میں آنے کی خوش خبری اپنے ابا چراغ کو بھی سنا دی۔ وہ یہ سُن کر ذرا بھی خوش نہ ہوئے، بلکہ اسے گھورتے ہوئے بولے: ''کم بخت! جتنی محنت تُو نے جن کو قابو میں کرنے میں لگا دی ہے اگر اتنی ہی محنت اپنے کام میں کرتا تو کیا ہمارے دن نہ پھر جاتے۔ کسی دوسرے کے سہارے جیا تو کیا جیا۔ اصل جینا تو اپنی قوتِ بازو سے ہونا چاہیے۔'' یہ کہہ کر اس کے ابا غصے سے چلے گئے۔

ٹھیک تین دن بعد اس نے جن کو جگایا۔ تھوڑی ہی دیر میں جن جماہی لیتا ہوا نمودار ہوا۔ روشن اس سے بولا: ''اچھا سب سے پہلے اپنا نام بتاؤ، تمھارا نام کیا ہے:

جن بولا: ''میرا نام ہل ہل ہے۔''

''ہل ہل، بھلا یہ کیسا نام ہے؟'' روشن بولا۔

جن بولا: ''دراصل بچپن سے ہی میں بڑا سست اور کاہل تھا۔ کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ بیٹھا ہی رہتا تھا تو سب کہتے تھے کہ تھوڑا ہل بھی لیا کرو۔ یہ جملہ مجھ سے اتنی بار کہا جاتا کہ میرا نام ہی ہل ہل پڑ گیا۔''

روشن بولا: ''مجھے تو اب بھی ہل کہا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا سا ہے کہ ہل سے پہلے ''کا'' کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔''

یعنی ''کاہل''، جن لفظ مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے اب کام کی بات ہو جائے۔'' وہ اسے جنگل کی طرف لاتے ہوئے بولا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جنگل میں تھے۔ روشن جن کے ہاتھ میں کلہاڑا تھماتے
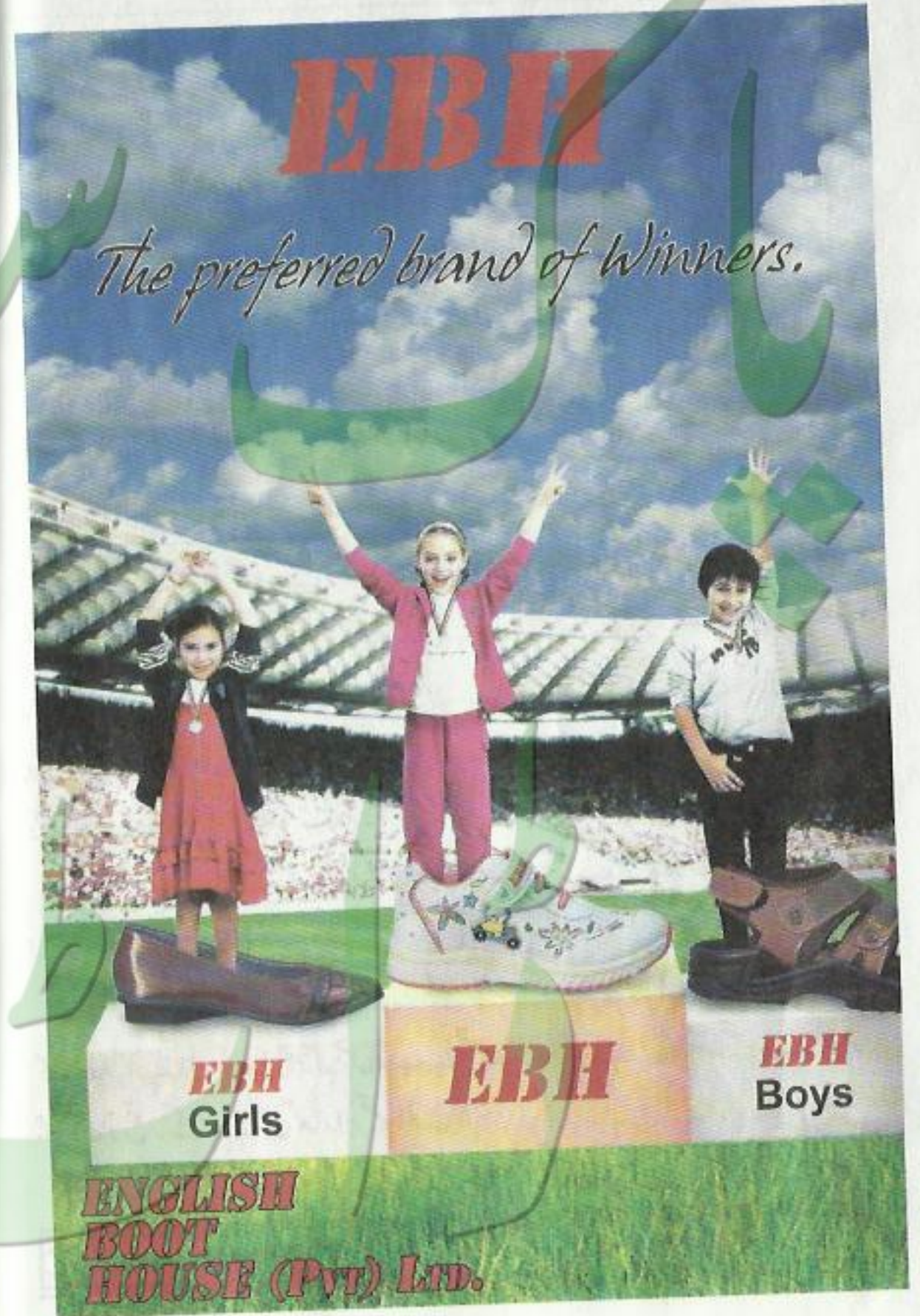
ہوئے بولا: ''دیکھو، اس جنگل کے تمام درخت کاٹ دو۔''

''کیا'' وہ حیرت سے بولا: ''درخت کاٹ دوں؟ میں نے تو کبھی کسی کے بال تک نہیں کاٹے۔ آپ درخت کاٹنے کی بات کر رہے ہیں۔''

روشن بولا: ''دیکھو! تم میرے غلام ہو، میں جیسا کہوں گا تمھیں ماننا پڑے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ بے دلی سے بولا۔

پھر اس نے نہایت ہی سُستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کلہاڑے کی طرف بڑھا۔ کلہاڑا اُٹھاتے ہوئے بھی اس نے کافی وقت لے لیا اور پھر ایک درخت پر دو چار ضربیں لگا کے سستانے لگا۔

روشن جو قریب ہی درخت کی چھاؤں میں لیٹا ہوا اسے دیکھ رہا تھا منھ ہی منھ میں بڑبڑاتے ہوئے بولا: ''یا خدایا! یہ تو مجھ سے بھی بڑا سست ہے۔'' پھر وہ غصے میں جن سے بولا: ''تم سے ابھی تک ایک درخت نہیں کٹا پورا جنگل کیسے کاٹو گے؟''

جن بولا: ''پوری پانچ ضربیں لگائی ہیں میں نے۔ اس سے جلدی کام اور کیا کروں؟'' پھر وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ روشن مزے سے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اچانک وہ ایک زوردار ضرب لگنے سے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ یہ ضرب جن نے درخت پر نہیں لگائی تھی، بلکہ یہ ضرب اس کے ابا نے تھپڑ کی صورت میں اس کے گال پر لگائی تھی۔ وہ گال سہلاتے ہوئے بولا: ''ابا! تھپڑ کیوں مار رہے ہیں؟''

وہ بولے: ''کم بخت! نالائق ایک نکما کم تھا کہ یہ دوسرا نکما بھی آ گیا؟ یعنی ''دو نکمے۔''

''ابا! ہوا کیا ہے؟'' روشن بولا۔

''اب پوچھ بھی رہا ہے کہ کیا ہوا۔ ارے پورا دن گزر گیا ہے، مگر تمھارے جن نے

ابھی تک ایک درخت بھی نہیں کاٹا۔ ارے درخت سے لکڑیاں نہ کٹیں تو شہر میں جا کر بیچیں گے کیا اور کھائیں گے کیا؟'' پھر وہ غصے سے چلے گئے۔

روشن غصے سے بھرا جن کے پاس آیا اور بولا: ''تم کیسے جن ہو، ابھی تک تم سے ایک درخت نہیں کٹا۔''

جن بولا: ''دراصل درخت کے تنے کافی موٹے ہیں، اس وجہ سے درخت نہیں کٹ رہا۔''

''اچھا، پھر آؤ میں تمھیں کوئی پتلے تنے والا درخت دکھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اسے لے کر جنگل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی وہ دونوں جا ہی رہے تھے کہ اچانک کسی شکاری کے بچھائے ہوئے جال میں روشن کا پاؤں اٹکا اور وہ رسی کے جال میں پھنس کر درخت پر اُلٹا لٹک گیا۔ جن اسے اُلٹا لٹکا دیکھ کر ہنسنے لگا۔ روشن چیخ کر بولا: ''ارے مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ، اُلٹا تم ہنس رہے ہو۔''

جن بولا: ''میں ایک صورت میں تمھیں اس سے نجات دلاؤں گا، پہلے تم مجھے آزاد کردو۔''

''نہیں نہیں میں تمھیں آزاد نہیں کروں گا۔ اتنی مشکلوں سے تو تمھیں اپنے قبضے میں کیا ہے۔'' روشن بولا۔

جن بولا: ''ٹھیک ہے، پھر اُلٹا لٹکے رہو۔''

''اچھا، ٹھیک ہے میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ اب تو میری مدد کرو۔'' روشن روہانسی آواز میں بولا۔

جن خوش ہوتے ہوئے بولا: ''اب میں تمھارا غلام نہیں رہا، میں کیوں تمھارا حکم مانوں، تم مزے سے اُلٹا لٹکے رہو، میں تو چلا۔'' یہ کہہ کر جن غائب ہو گیا اور روشن کے چیخنے کی آواز جنگل میں گونجنے لگی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک اسے اپنے ابا کی صورت نظر آئی۔ یہ دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے ابا نے کسی نہ کسی طریقے سے اسے اس مصیبت سے نجات دلائی۔ پھر وہ بولے: ''وہ تو خدا کا شکر ہے کہ مجھے کوئی بات یاد آ گئی تھی تو میں دوبارہ تمھارے پاس آ رہا تھا۔ اگر میں نہ آتا تو تم اُلٹا ہی لٹکے رہتے اور...... اور وہ تمھارا جن کہاں چلا گیا؟''

روشن نے ساری بات اپنے ابا کو بتا دی۔ پھر وہ اپنے ابا کے قدموں میں گر گیا اور ان سے معافی مانگنے لگا۔ شاید اُلٹا لٹکنے سے اس کی عقل ٹھکانے پر آ گئی تھی اور وہ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ سُستی اور کاہلی انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے، جب کہ محنت اور چستی سے انسان کی عظمت بڑھتی ہے۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۲۰ روپے، رجسٹری سے منگوانے پر ۴۴۰ روپے ہے۔ منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکھٹے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

قلم

محمد مشتاق حسین قادری

ہمیں لکھنا سکھاتا ہے قلم
ہمارے دل سجاتا ہے قلم

محبت کو بڑھاتا ہے قلم
دیے سچے جلاتا ہے قلم

کلامِ حق میں اس کا ذکر آیا
سبھی کے کام آتا ہے قلم

قلم کا جو ادب کرتا ہے دل سے
اُسے عزت دلاتا ہے قلم

قلم خاموش ہے مشتاق رہبر
ہمیں آگے بڑھاتا ہے قلم

انعامی سلسلہ ۱۹۷

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول سولہ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک سو روپے نقد حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- مئی ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضورِ اکرمؐ نے .... کو سید الشہدا کا خطاب دیا تھا۔ (حضرت بلالؓ۔ حضرت ایوب انصاریؓ۔ حضرت حمزہؓ)

۲۔ اموی خلیفہ عبدالملک کے بعد اس کا .... ولید تخت نشین ہوا۔ (بھائی ۔ بیٹا ۔ چچا)

۳۔ مولانا محمد علی جوہر کی والدہ محترمہ بی اماں کا اصل نام .... تھا۔ (آبادی بیگم۔ آزادی بیگم۔ اکبری بیگم)

۴۔ لفظ "پاکستان" کے خالق چودھری رحمت علی .... میں پاکستان آئے تھے۔ (۱۹۴۸ء۔ ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۲ء)

۵۔ بلوچستان کے علاقے سوئی سے .... میں گیس دریافت ہوئی تھی۔ (۱۹۵۲ء ۔ ۱۹۵۴ء ۔ ۱۹۵۶ء)

۶۔ قائداعظم کے ڈرائیور محمد حنیف .... کے نام سے فلموں میں کام کرتے تھے۔ (زلفی ۔ نذر ۔ آزاد)

۷۔ بندر سری بیگوان، مسلم ملک .... کا دارالحکومت اور بندرگاہ ہے۔ (قازقستان ۔ برونائی ۔ ملائیشیا)

۸۔ مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا نے ہندستان پر تقریباً .... سال حکومت کی۔ (۲۵ ۔ ۲۹ ۔ ۳۳)

۹۔ "زرگزشت" ممتاز ادیب اور مزاح نگار .... کی تصنیف ہے۔ (اطہر شاہ خاں۔ سید ضمیر جعفری۔ مشتاق احمد یوسفی)

۱۰۔ جنوب مشرقی یورپ کا واحد مسلم اکثریت والا ملک .... ہے۔ (البانیہ ۔ تنزانیہ ۔ جارجیا)

۱۱۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: "دریا کو .... میں بند کرنا۔" (لوٹے ۔ پیالے ۔ کوزے)

۱۲۔ دنیا میں کل .... براعظم ہیں۔ (۵ ۔ ۶ ۔ ۷)

۱۳۔ موسیقی کا آلہ .... حضرت امیر خسرو کی ایجاد کہی جاتی ہے۔ (ستار ۔ پیانو ۔ بانسری)

۱۴۔ سعودی عرب کے حکمراں شاہ فیصل کو .... میں شہید کیا گیا تھا۔ (۱۹۷۲ء ۔ ۱۹۷۵ء ۔ ۱۹۷۷ء)

۱۵۔ اولمپک کھیلوں کے مقابلے ہر .... سال بعد کرائے جاتے ہیں۔ (۳ ۔ ۴ ۔ ۵)

۱۶۔ ثاقب لکھنوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع درست کیجیے:

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ .... تھا، وہی پتے ہوا دینے لگے

(آسرا ۔ تکیہ ۔ اعتبار)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۱۹۷ (مئی ۲۰۱۲ء)

نام : ....

پتا : ....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ مئی ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (مئی ۲۰۱۲ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ مئی ۲۰۱۲ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

ہنسی گھر

○ تھکا ماندہ ڈاکٹر سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈاکٹر منھ بناتا ہوا اُٹھ بیٹھا اور بستر ہی سے بولا: ''کون ہے؟''

باہر سے آواز آئی: ''صاحب! دروازہ کھولیے، مجھے کتے نے کاٹ لیا ہے۔''

''کیا تمھیں نہیں معلوم کہ یہ میرے آرام کا وقت ہے۔'' ڈاکٹر نے غصے سے کہا۔

''جی ہاں مجھے تو اچھی طرح معلوم ہے، مگر کتے کو معلوم نہیں تھا۔'' باہر سے آواز آئی۔

مرسلہ: عائشہ ثاقب جنجوعہ عاشی، پنڈ دادن خان

○ ایک صاحب کو قرض مانگنے والوں نے بہت تنگ کر رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے دفتر کے باہر بورڈ لگوا دیا، جس پر موٹے حروف میں لکھا تھا: ''ہم قرض مانگنے والے ہر دسویں آدمی کو کھڑکی سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔ نواں آدمی ابھی ابھی باہر گیا ہے۔''

مرسلہ: شاروِدل، وہاڑی

○ ایک صاحب جلدی میں ائر پورٹ کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچے اور بولے: ''کراچی سے امریکا ہوائی جہاز کتنی دیر میں پہنچے گا؟''

کلرک مصروف تھا، بولا: ''ایک منٹ سر!''

وہ صاحب واپس مڑے اور بولے: ''شکریہ''

مرسلہ: فضا فاروق، غریب آباد

○ جیل میں ایک قیدی نے دوسرے قیدی سے پوچھا: ''تمھیں کس جرم میں سزا ہوئی ہے؟''

دوسرا قیدی بولا: ''حکومت سے میری ضد چل رہی ہے۔''

پہلے قیدی نے حیران ہو کر پوچھا: ''کیا مطلب؟ کیا تم کوئی سیاست داں ہو؟''

دوسرے قیدی نے جواب دیا: ''نہیں، حکومت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ میں بھی اس کی طرح نوٹ چھاپوں۔''

مرسلہ: واجد نگینوی، ملیر، کراچی

○ ایک بچے نے دکان دار سے پوچھا: ''اس پنسل کی کیا قیمت ہے؟''

دکان دار: ''کون سی والی؟''

بچہ: ''وہ پانچ روپے والی۔''

مرسلہ: محمد افضل اکرم، لاہور

◉ دو آدمی ایک محفل میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص بولا: ''میں نے ابھی ابھی یہاں لفظ بے وقوف سنا ہے، کہیں اشارہ میری طرف تو نہیں؟''

دوسرے شخص نے کہا: ''آپ کیا سمجھتے ہیں، یہاں آپ کے علاوہ کوئی اور بے وقوف نہیں۔''

مرسلہ: نوید الرحمن، اٹک

◉ ایک مقرر جھوٹ کے موضوع پر لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر دینے کے بعد مقرر نے حاضرین سے پوچھا: ''آپ میں سے کس کس نے میری کتاب کا نواں باب پڑھا ہے؟''

تقریباً تمام حاضرین نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ یہ دیکھ کر مقرر نے مسکراتے ہوئے کہا: ''میں نے صحیح لوگوں کے سامنے تقریر کی ہے، کیوں کہ میری کتاب کے کُل آٹھ باب ہیں۔''

مرسلہ: محمد زوہیب سورانی، ڈیرہ اسماعیل خان

◉ افسر (امیدوار سے): ''تم کتنی جماعتیں پڑھے ہوئے ہو؟''

امیدوار: ''جناب! جماعتیں تو صرف دس پڑھا ہوں، لیکن امتحان کا تجربہ بیس سال کا ہے۔''

مرسلہ: محمد انس ریاض، احمد پور شرقیہ

◉ افسر (سپاہی سے): ''تم تو بہت بہادر ہو، جنگ کے دوران ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہو؟''

سپاہی: ''میری ماں نے کہا تھا کہ افسر کے ساتھ ہی رہنا، کیوں کہ جنگ میں افسر بہت کم مارے جاتے ہیں۔''

مرسلہ: شاردول، ٹبہ سلطان پور

◉ ڈاکٹر: ''کہیے جناب! دل کے آپریشن کے بعد آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

مریض: ''ڈاکٹر صاحب! کچھ یوں لگتا ہے، جیسے میرے سینے میں ایک کے بجائے دو دل دھڑک رہے ہوں۔''

ڈاکٹر: ''اوہو، اب پتا چلا کہ میں اپنی گھڑی کہاں رکھ کر بھول گیا ہوں۔''

مرسلہ: عبدالکبیر شفق، اوتھل

◉ استاد: ''بتایئے، آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟''

شاگرد: ''جانوروں کے خاندان سے۔''

استاد: ''وہ کیسے؟''

شاگرد: ''آپ مجھے مرغا بنا دیتے ہیں۔ امی مجھے گھوڑا کہتی ہیں۔ پاپا مجھے بندر کہتے ہیں۔ باجی مجھے اُلّو کہتی ہیں اور دادا ابا کہتے ہیں، میرا پوتا شیر ہے۔''

مرسلہ: انجیشاہ کامران عزیز، نارتھ کراچی

◉ ایک آدمی کہیں جا رہا تھا۔ اس نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا: ''جناب! یہ پتھر اُٹھایئے، اس کے نیچے خزانہ ہے۔''

اس آدمی نے خوب زور لگا کر پتھر اُٹھایا تو نیچے لکھا ہوا تھا: ''پتھر واپس رکھ دیجیے، ابھی کچھ اور بے وقوف بھی آتے ہوں گے۔''

مرسلہ: عائشہ نور، کوئٹہ

◉ ایک صاحب کے گھر ایک مہمان آیا، جو گھر کا سارا کھانا اکیلے کھا گیا۔ یہ دیکھ کر ایک بچہ رونے لگا: ''امی! مجھے کھانا دیں۔''

ماں: ''مت رو بیٹا! مہمان کے جانے کے بعد سب گھر والے مل کر روئیں گے۔''

مرسلہ: محمد حمزہ اخوان، ڈیرہ غازی خان

◉ پہلا پاگل: ''ایک ہاتھی دور سے بھاگتا ہوا آتا ہے۔ چیونٹی اسے دیکھ کر دیوار کے پیچھے چھپ گئی۔ بتاؤ، کیوں؟''

دوسرا پاگل: ''تاکہ چیونٹی اسے 'ہاؤ' کر کے ڈرا دے۔''

مرسلہ: عاقل زادہ، خیبر پختونخواہ

◉ ٹرین چلتے چلتے اچانک رک گئی۔ گھبرائے ہوئے شخص نے گارڈ سے پوچھا: ''کیا ہوا بھئی؟''

گارڈ نے کہا: ''ایک گائے ٹرین کی زد میں آ گئی تھی۔''

آدمی نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا: ''وہ پٹری پر چل رہی تھی؟''

گارڈ جل کر بولا: ''نہیں جی! ہم نے ٹرین کو کھیت میں اس کے پیچھے چھوڑا تھا۔''

مرسلہ: ماہم اسلم، شریف آباد

◉ گاہک: ''انڈے کیا بھاؤ دیے ہیں؟''

دکان دار: ''ٹوٹا ہوا پانچ روپے کا، ثابت آٹھ روپے کا۔''

گاہک: ''اچھا یہ ثابت انڈے توڑ توڑ کر اس برتن میں ڈال دو۔''

مرسلہ: مریم حبیب، نیو کراچی

☆☆☆

ماں

سید ذوالفقار حسین نقوی

ماں کا رشتہ در حقیقت اک خدا کی شان ہے
پھول ہے، خوشبو ہے، ممتا ہے، وہ دل ہے، جان ہے
حضرت موسیٰؑ کو دیکھو، اُن کی ماں کو دیکھ لو
لب دعا گو ہیں یہ کس کے اور کتنا مان ہے
ساتھ اپنی والدہ کے کیسا ہے اپنا عمل
جنت و دوزخ کی دنیا میں یہی پہچان ہے
سرخ روئی دین و دنیا کی ہے ماں کی چاہتیں
اور دعائیں بھی تو اُن کی قلب کا ارمان ہے
باپ کی عظمت مسلم، رتبہ اعلا ترین
جاگنا راتوں کو دن کو ماتا کی شان ہے
ساری دنیا روٹھ بھی جائے تو کچھ پروا نہیں
ماں نہ روٹھے تو تجھے جان میں پھر جان ہے
چاہتے ہو دل کی خوشیاں ، ماں کی تم خدمت کرو
دہر میں راہِ وفا کی اک یہی پہچان ہے
ماں کے قدموں پہ ہو سر، آنسو ہوں جس کی آنکھ میں
بارگاہِ ایزدی میں بس وہی انسان ہے
میری امی پر خدایا رحمتوں کا ہو نزول
شان ہے تیری کریمی اور بڑا یہ مان ہے
حشر میں بھی خلد بخشیں گے حبیبِ کبریاؐ
ہے یقیں مجھ کو یہ نقوی اور یہی ایمان ہے

موچی کا بیٹا

صداقت حسین ساجد

یکم دسمبر ۱۸۰۵ء کی ایک کہر آلود صبح کو ایک چودہ سالہ لمبے قد کا دبلا پتلا لڑکا اپنے آبائی قصبے، اوڈنسے (ڈنمارک) سے شہر کو چلا۔ اس غریب لڑکے کی منزل ملک کا دارالحکومت کوپن ہیگن تھی۔ اس نے اپنے پاؤں میں پھٹے پرانے جوتے پہن رکھے تھے اور جسم پر بوسیدہ سا لمبا کوٹ تھا۔ اس کے پاس رقم کے نام پر چند سکے تھے۔ وہ اپنی امی سے یہ کہہ کر نکلا تھا کہ اب وہ کچھ بن کر ہی واپس آئے گا۔ اوڈنسے کے لوگوں کے خیال میں وہ پاگل ہو گیا تھا۔ اس کی امی کی خواہش تھی کہ وہ اپنے باپ والا کام کرے، یعنی موچی بن جائے۔ اس کے باپ کا انتقال بہت پہلے ہو چکا تھا۔ وہ لڑکا خوابوں کی دنیا میں رہتا تھا اور ہر ایک کو بتاتا تھا کہ وہ دنیا کا بہترین اداکار بنے گا۔

پیدل چلتے ہوئے اس لڑکے کو راستے میں ایک کوچوان نے ہمدردی کرتے ہوئے اپنی بگھی میں بٹھا لیا اور کوپن ہیگن تک پہنچا دیا۔ لڑکا شہر پہلی بار آیا تھا، اس لیے بڑی بڑی سڑکیں، شان دار گھر اور دکانیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

شہر میں چند دن کے فاقوں سے اس کی حالت بری ہوگئی۔ پھر بھی وہ حوصلہ کر کے شاہی تھیٹر کی ایک اداکارہ کے گھر گیا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ اس نے ترس کھاتے ہوئے لڑکے کو نوکر رکھ لیا۔ ایک دن اداکارہ نے اس سے پوچھا: ''تم کیا بننا چاہتے ہو؟''

''میں اداکار بننا چاہتا ہوں۔''

''کچھ کر کے دکھاؤ؟''

یہ سن کر لڑکے نے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ اس قدر بے ہنگم طریقے سے ناچا کہ اداکارہ بے اختیار ہنسنے لگی: ''نہیں لڑکے! نہیں، یہ کام تمھارے بس کا نہیں، کچھ گا کر سناؤ۔''

اس نے بے سری تان بھری، تو وہ اور ہنسنے لگی: ''میرا خیال ہے، تم محنت مزدوری کرو۔ وہ تمھارے لیے بہتر ہوگا۔''

''بیگم صاحبہ! میں ایک اور کام بھی جانتا ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''میں کہانیاں اور ڈرامے لکھ سکتا ہوں۔''

اس نے اداکارہ کو اپنی چند تحریریں دکھائیں۔ وہ پریوں کی کہانیاں تھیں۔ اداکارہ انھیں پڑھ کر بہت متاثر ہوئی اور اگلے دن ایک کہانی تھیٹر میں ایک ہدایت کار کو دکھائی، تو اس نے کہانی کو مسترد کر دیا اور کہا: ''یہ نری بکواس ہے۔ اب پریوں کی کہانیوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔''

اس لڑکے نے حوصلہ نہ ہارا۔ اداکارہ اور اس کے چند ساتھیوں کی حوصلہ افزائی پر اس نے لکھنا جاری رکھا۔ آخر اس کی ایک کہانی چھپ گئی۔ یہ اس کے لیے بہت بڑی کام یابی تھی۔ ابھی اس کی تعلیم پرائمری تک تھی، لہٰذا اس کے ساتھیوں نے اسے اسکول میں داخل کروانے کا فیصلہ کیا۔

پھر وہ لڑکا اسکول جانے لگا۔ یہ اس کی زندگی کا کٹھن ترین دور تھا۔ لڑکے اس کا مذاق اڑاتے اور استاد کہتا: ''تم کسی سرکس میں کام کرلو۔ پڑھنا لکھنا تمھارے بس کا روگ نہیں ہے۔''

اصل میں وہ لوگ اس کی تحریروں اور جذبے سے حسد کرتے تھے۔

اس نے ڈینش زبان میں بچوں کا عالمی ادب پڑھا اور کہانیاں لکھتا رہا۔ اسے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں تھی۔ ایک دن اسے یہ خوش خبری سننے کو ملی کہ اس کے ایک ڈرامے کو شاہی تھیٹر نے قبول کر لیا ہے۔ اب اس کے عروج کا وقت شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے نقادوں نے اس کی مافوق الفطرت کہانیوں کو شاہکار قرار دیا۔ اس کی ہر کہانی میں یہ سبق چھپا ہوتا تھا:

''اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور محنت کرنے سے ہر کوئی کام یاب ہو سکتا ہے۔''

اتنی شہرت ملنے کے باوجود بھی وہ بالکل مغرور نہ ہوا، بلکہ اسے خود کو موچی کا بیٹا کہلوانا پسند تھا۔ تقریباً چالیس سال بعد وہ اوڈنسے لوٹا، تو لوگوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اب تو بادشاہ بھی اس کی تعریفیں کرتا تھا۔ اب وہ ڈنمارک کا قومی ہیرو بن چکا تھا۔

اس کی کہانیوں اور نظموں کا ترجمہ دنیا کی ہر بڑی زبان میں ہو چکا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں اس نے ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ اسے پورے اعزاز کے ساتھ اوڈنسے میں دفن کیا گیا اور اس کی یاد میں ایک میوزیم تعمیر کیا گیا، جہاں اس کی کتابیں، اس کی قلمی تحریریں اور دوسرا سامان محفوظ ہے۔ وہاں ہر سال بچوں کا میلا لگتا ہے، جسے دیکھنے کے لیے سارے یورپ سے بچے اور بڑے شوق سے آتے ہیں۔ اس کی کہانیاں بچوں کے علاوہ بڑے بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور پڑھتے رہیں گے۔

پیارے بچو! تم اس لڑکے کا نام جاننا چاہو گے، ہم بتائے دیتے ہیں۔ اس لڑکے کا نام تھا۔ ''ہینس کرسچین اینڈرسن'' (HANS CHRISTIAN ANDERSEN)۔ ☆

پانچ بُرے آدمی

کسی بزرگ نے کہا کہ پانچ آدمیوں سے دور بھاگو۔

۱۔ جھوٹے سے، جھوٹا نہ جانے کب دھوکا دے جائے۔

۲۔ احمق سے، تمھارے فائدے کو نقصان سے بدل سکتا ہے۔

۳۔ بخیل سے، وہ عین وقت پر دغا دیتا ہے۔

۴۔ بزدل سے، وہ بھلا کسی کا کیا ساتھ دے گا۔

۵۔ فاسق سے، وہ اپنے دوست کو ایک لقمے کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔

مرسلہ: سبرینہ رضوان احمد، حیدر آباد

نونہال مصور
میمونہ فتح محمد، کوئٹہ
سائرہ بانو، حاصل پور
سعد خان، کراچی
ایمن جان عالم، اورنگی ٹاؤن
ہما احمد، واہ کینٹ
نیہا مجید، گلستان جوہر

تصویر خانہ

ایان محمد سلیم، کراچی

ایمن محمد جمیل مغل، کراچی

ساجد محمد سہیل، کراچی

اریبہ منصور، کراچی

محمد صہیب، کورنگی

رانا مبین حیدر راجپوت، ٹھٹھہ

عفریٰ جمیل، راجن پور

جواد جمیل، راجن پور

حماد جمیل، راجن پور

مسکراتی لکیریں

”ارے بھئی، بلی تو میری مری ہے، تمھیں کیوں اس قدر صدمہ ہو رہا ہے؟“

”بڑی اچھی بلی تھی صاحب جی! دودھ میں پیتا تھا، الزام اس پر آتا تھا۔“

بلا عنوان انعامی کہانی

مناظر صدیقی
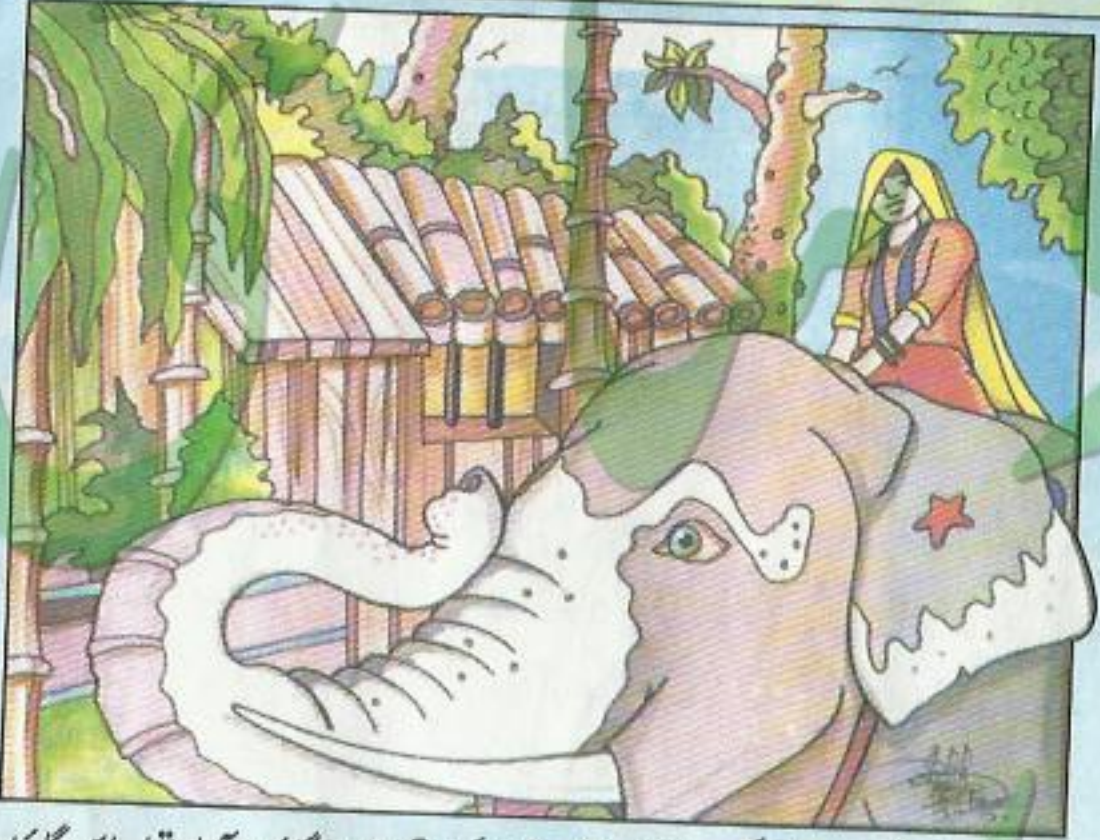
برما کے ایک پہاڑ پیگو یوما کے دامن میں ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں میں ایک لڑکی ماما کیل رہتی تھی۔ یہ گاؤں چوں کہ رنگون شہر سے بہت دور تھا، اس لیے ماما کیل کو رنگون کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی نئی نئی چمک دار کاروں، رنگون سے چلنے والی ریل اور وہاں کے خوب صورت بازاروں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ البتہ وہ جنگلی پھلوں، پھولوں، بانسوں، جڑی بوٹیوں اور چاولوں کے متعلق بہت کچھ جانتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ کون سے مرض کے لیے کون سی جڑی بوٹی استعمال کی جاتی ہے۔ اُسے جنگل کی ہر چیز کے متعلق معمولی سے معمولی بات بھی معلوم تھی۔ ماما کیل کی زندگی بڑی ہنسی خوشی گزر رہی تھی۔ اب وہ سولہ سال کی ہو چکی تھی۔ وہ گاؤں میں ہر ایک سے محبت سے پیش آتی تھی۔ بڑوں کی

عزت کرتی تھی اور چھوٹوں سے پیار، اسی لیے گاؤں والے بھی ماما گیل سے بڑی محبت کرتے تھے۔

ایک روز ماما گیل اپنے مکان میں سو رہی تھی۔ اس کا مکان بڑے بڑے شہتیروں اور موٹے موٹے بانسوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو باہر گہرا اندھیرا تھا۔ مکان کی دیواریں اُسے ہلتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ دیواریں بانسوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کی درزوں میں سے تیز ہوا اندر آ رہی تھی۔ اب ماما گیل نے غور کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کا پلنگ بھی ہل رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ زلزلے کے آثار ہیں۔ زلزلے کے ساتھ ہی طوفان بھی آ رہا تھا۔ وہ پلنگ سے اُتر کر اپنے والدین کو جگانے کے لیے دوڑی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے والدین کے کمرے تک پہنچتی، اس نے ایسی آوازیں بھی سنیں، جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں، اسی کے ساتھ کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیں، جیسے کئی ہاتھی بانس کے جنگلوں میں گھس گئے ہوں اور ان کی وجہ سے بہت سے بانس ایک ساتھ کڑکڑا کر ٹوٹے ہوں، پھر جیسے ہی اس نے دوسرے کمرے کے دروازے پر قدم رکھا، پورا مکان ہلنے لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا، جیسے وہ کسی جھولے میں کھڑی ہو۔ اس نے گھبرا کر چوکھٹ پکڑ لی۔ اس کے باوجود وہ زمین پر گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دیکھا کہ کمرے کے ایک طرف کی دیوار گر پڑی ہے، ساتھ ہی چھت بھی نیچے آ گری۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ اس چھت کے نیچے دب گئے۔ یہ دیکھ کر ماما گیل کی چیخ نکل گئی۔ ابھی وہ یہ سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے کہ اچانک اس کے چہرے پر پانی کی بوندیں گرنے لگیں اور ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کے بدن سے ٹکرایا۔ یہ جھونکا اتنا تیز تھا کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی۔ ہوا اور پانی اتنے تیز تھے کہ اس سے سانس بھی نہیں لی جا رہی تھی۔ اُسی وقت کوئی وزنی چیز اس سے

ٹکرائی۔ یہ چوٹ اتنی سخت تھی کہ ماما گیل بے ہوش ہو گئی۔

صبح جب ماما گیل کو ہوش آیا تو طوفان ختم ہو چکا تھا۔ ہر طرف تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف گاؤں کے مکانات کا ملبا پڑا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ سمیت گاؤں کے تمام آدمی اس زلزلے اور طوفان سے مر چکے تھے۔ پورے گاؤں میں صرف وہی زندہ بچی تھی۔ یہ ساری تباہی دیکھ کر ماما گیل رونے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اب کوئی شیر یا کوئی اور درندہ اُسے کھا جائے گا۔

ماما گیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، کہاں جائے۔ ٹھیک اسی وقت اس نے دیکھا کہ جنگل سے ایک ہاتھی نکل کر اس کی طرف آ رہا ہے۔ ماما گیل اُسے پہچان گئی۔ یہ اوگھتا ہاتھی تھا، جو جنگل سے کٹے ہوئے درختوں کے بڑے بڑے لٹھے دریا تک پہنچاتا تھا۔ اوگھتا اس کا دوست بھی تھا۔ بہت دنوں پہلے اس نے اوگھتا کے ایک زخمی پیر کی

مرہم پٹی کی تھی۔ اسی وقت سے اس کی اونگھتا سے دوستی ہوگئی تھی۔ اونگھتا کو دیکھ کو وہ بہت خوش ہوئی۔ اُسے یقین ہوگیا کہ اب اس کی جان بچ جائے گی۔ وہ کھڑی ہوکر اونگھتا کو آوازیں دینے لگی۔ اونگھتا نے اس کی آواز سن لی اور سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ پھر اس نے ماما گیل کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اپنی گردن پر بٹھالیا۔ اب ماما گیل نے ہاتھی سے کہا کہ اسے جنگل میں درخت کاٹنے والوں کے کیمپ میں پہنچادے۔ اونگھتا نے اپنی دوست کا کہنا مانا، لیکن جب وہ اس کیمپ کے پاس پہنچے تو ماما گیل کو یہ دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوا کہ یہ کیمپ بھی اس کے گاؤں کی طرح ویران ہو چکا ہے۔ اب تو ماما گیل اور زیادہ پریشان ہوئی۔ وہ ہاتھی کی گردن پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک مرتبہ پھر بے ہوش ہوگئی۔ جب وہ گرنے لگی تو ہاتھی نے اُسے دوبارہ اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا اور اُسے سنبھالے ہوئے ایک مرتبہ پھر جنگل میں گھس گیا۔

دوپہر کے قریب ہاتھی ماما گیل کو لے کر جنگل کے نگران اُتاؤ کے جھونپڑے کے سامنے پہنچ گیا۔ جھونپڑے کے سامنے اس نے ماما گیل کو آہستہ سے زمین پر لٹا دیا۔ پھر وہ بڑی زور سے چنگھاڑا، تا کہ اُتاؤ باہر نکل آئے۔ اس وقت اُتاؤ شاید گھر پر نہیں تھا، اس لیے ہاتھی کی چنگھاڑ سن کر اُتاؤ کی بیوی مافاؤ باہر نکلی۔ اس نے جو ایک لڑکی کو زمین پر پڑے اور ہاتھی کو اُس کے سامنے کھڑے دیکھا تو وہ بہت ڈری۔ پہلے تو وہ یہ سمجھی کہ شاید اونگھتا مست ہوگیا ہے اور اس نے اس لڑکی کو مار دیا ہے، لیکن جب اُس نے غور کیا تو اُسے اندازہ ہوا کہ لڑکی مری نہیں، بلکہ صرف بے ہوش ہے۔ اُسی وقت اُتاؤ بھی واپس آ گیا۔ اُتاؤ اور مافاؤ مل کر ماما گیل کو اپنے جھونپڑے کے اندر لے گئے۔ جب ماما گیل کو ہوش آیا تو اس نے اپنے گاؤں کی تباہی کی ساری کہانی سنائی۔

اُتاؤ اور اس کی بیوی مافاؤ دونوں ہی بڑے نیک تھے۔ انھوں نے ماما گیل کو اپنی بیٹی

بنالیا۔ اب ماماگیل ان کے ساتھ رہنے لگی۔ ماماگیل نے مافاؤ کو جنگلی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے کے طریقے سکھائے اور جنگل کے تمام پھلوں اور درختوں کے متعلق بھی بتایا۔ اودھر مافاؤ نے ماماگیل کو لکھنا پڑھنا سکھایا اور اُسے عمدہ عمدہ کھانے پکانے اور اچھے اچھے کپڑے سینا سکھا دیے۔ اس کے علاوہ مافاؤ نے ماماگیل کو اور بھی بہت سی ایسی باتیں سکھائیں، جو اچھی لڑکیوں کے لیے بہت ضروری ہوتی ہیں۔ پھر دو تین سال کے بعد اُناؤ نے اپنی منھ بولی بیٹی ماماگیل کی شادی ایک امیر آدمی اُوپوٹا سے کر دی۔

اُوپوٹا کے پاس دھان کے کئی کھیت تھے۔ اس کے پاس دولت بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے وہ کاہل بھی ہو گیا تھا۔ کسان کھیتوں میں کام کرتے اور اُوپوٹا دن بھر گھر میں آرام کرتا رہتا یا اپنے دوستوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزارتا۔ جب فصلیں کٹ جاتیں اور کھیتوں پر کوئی کام نہیں ہوتا اور کسانوں سے بھی پیسے وصول ہو جاتے تو وہ تفریح کے لیے نکل جاتا اور مختلف شہروں میں گھوم پھر کر جی بہلاتا رہتا۔ وہ سفر پر جاتا تو ماماگیل کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتا تھا۔ بے چاری ماماگیل گھر پر ہی رہتی۔ اُوپوٹا کی واپسی کے بعد ماماگیل کا صرف یہ کام رہ جاتا کہ دن بھر بیٹھی اُوپوٹا کو پنکھا جھلتی رہے اور اُسے چاے بنا بنا کر پلاتی رہے۔ اُوپوٹا جب گھر پر ہوتا تو اپنا پلنگ برآمدے میں بچھا لیتا۔ اس کا ایک کھیت اس کے مکان سے ملا ہوا تھا۔ اس میں اس نے چڑیوں کو ڈرانے کے لیے کچھ بے ڈھنگے پتلے بنا کر کھڑے کر دیے تھے اور اُن میں گھنٹیاں باندھ دی تھیں۔ ان گھنٹیوں میں ڈوریاں باندھ کر اس نے اپنے برآمدے میں ایک ستون سے اٹکا دی تھیں۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ سوتے سوتے جب بھی آنکھ کھلتی، وہ ان میں سے کوئی ڈور پکڑ کر ہلا دیتا۔ اس طرح کھیت میں کھڑے ہوئے کسی پتلے کی گھنٹی بجنے لگتی۔

ماماگیل نے اُوپوٹا کی اتنی خدمت کی کہ رفتہ رفتہ اس نے کھیتوں کا بہت سا کام بھی

ماماگیل کے سپرد کر دیا۔ اب وہی کسانوں اور ملازموں سے پیسے وصول کرنے لگی۔ ماماگیل بہت عقل مند تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اُوپوٹا کو جتنے پیسے ملتے ہیں، وہ سب خرچ کر دیتا ہے۔ اب اس نے دھیرے دھیرے کچھ پیسے بچانا شروع کر دیے، کیوں کہ اب اُسے اللہ نے دو بھولے بھالے بچے بھی دے دیے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ان بچوں کی اچھی تعلیم کے لیے آگے چل کر بہت پیسوں کی ضرورت ہو گی۔ اُوپوٹا جب بھی اس سے پیسوں کے متعلق پوچھتا کہ کھیتوں سے کتنی آمدنی ہوئی ہے تو وہ کچھ پیسے کم ہی بتاتی۔ اُوپوٹا کو پیسوں کی زیادہ فکر بھی نہیں تھی، کیوں کہ ماماگیل جتنے روپے بتاتی، وہی اس کے خرچ کے لیے کافی ہوتے۔

ماماگیل کے دن اسی طرح کٹ رہے تھے۔ اب تو کھیتوں کی نگرانی اور ملازموں سے کام لینے کی تمام ذمے داری ماماگیل ہی کے ذمے تھی۔ اُوپوٹا تو اب پہلے کے مقابلے میں اور بھی زیادہ کاہل ہو گیا تھا۔

ایک دن اُوپوٹا ہمیشہ کی طرح برآمدے میں پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ ماماگیل نے سوچا کہ چلو اتنی دیر میں ذرا قریب کے کھیت میں جا کر دیکھ آئے کہ لوگ ٹھیک طرح کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ یہ سوچ کر وہ کھیت کی طرف چلی گئی۔ اُسی وقت اُوپوٹا کی آنکھ کھلی۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق برآمدے کے ستون میں بندھی ہوئی رسی کھینچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، تاکہ رسی کھینچ کر کھیت میں کھڑے ہوئے کسی پتلے کی گھنٹی بجا دے۔ اُوپوٹا نیند میں تو تھا ہی، آنکھیں کھولے بغیر اس نے رسی پکڑنے کی کوشش کی، لیکن اس وقت نہ جانے کہاں سے ایک نہایت زہریلا سانپ ان رسیوں کے پاس آ گیا تھا۔ اُوپوٹا نے ہاتھ بڑھایا تو رسی کے بجائے اس کا ہاتھ اس سانپ پر پڑ گیا۔ سانپ نے اُسے کاٹ لیا۔ اب ماماگیل جب واپس پہنچی تو اُوپوٹا مر چکا تھا۔

اُوپوٹا کے مرنے کے بعد ماماگیل قریب کے شہر میں منتقل ہو گئی۔ جہاں سے وہ ہر

مہینے دو مہینے کے بعد کھیتوں کی نگرانی کے لیے آسکتی تھی۔ اس شہر میں اُس نے اپنے بچوں کو ایک اچھے اسکول میں داخل کرا دیا۔ جو رقم اس نے جمع کی تھی، وہ اس نے مختلف تجارتوں میں لگا دی تھی، جس سے اُسے اور بھی زیادہ منافع ہوا۔ اس طرح ملنے والے منافع کو اس نے اپنے پاس جمع کر کے رکھنے کے بجائے شہر کے غریبوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کے لیے خرچ کرنا شروع کر دیا، اس لیے لوگ اسے بہت چاہنے لگے۔ اب تو اس شہر کے لوگ اس سے اتنی محبت کرنے لگے کہ جب شہر کی بلدیہ کے انتخابات ہوئے تو لوگوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ بھی اس میں حصہ لے۔ اس طرح وہ بلدیہ کی رُکن بھی منتخب ہوگئی۔

اب اس کے بچے بھی بڑے ہوگئے تھے۔ اس نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے رنگون بھیج دیا، جو برما کا دارالحکومت تھا۔ اس کے چھوٹے بیٹے تاؤ تھا نے جب اپنی تعلیم مکمل کر لی تو وہ بھی اپنی ماں ماما گیل کی طرح غریبوں کی خدمت اور شہریوں کی بھلائی کے کام میں لگ گیا۔ جس کے نتیجے میں کچھ ہی عرصے بعد وہ بھی برما کی پارلیمنٹ کا رُکن بن گیا۔ ان دونوں نے اپنے وطن کی اتنی خدمت کی کہ ان کے شہر کے لوگوں نے ان کے کئی مجسمے بنوا کر سڑکوں پر لگوائے۔ کہتے ہیں کہ برما کے لوگ اب بھی ماما گیل اور تاؤ تھا کو یاد کرتے ہیں۔ ☆

> اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۹ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- مئی ۲۰۱۱ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔
>
> نوٹ: ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ مارچ ۲۰۱۲ء کے بارے میں ہیں

❁ ہمدرد نونہال کا تازہ شمارہ زبردست رہا۔ خوب صورت سرورق کے ساتھ تمام تحریریں لاجواب ہیں، جاگو جگاؤ اور پہلی بات اپنی مثال آپ ہیں۔ روشن خیالات واقعی روشن ہیں، نعت نبیؐ نے دل کو منور کر دیا۔ ۲۳ مارچ (مسعود احمد برکاتی) بہترین مضمون ہے۔ اس کے علاوہ روز ایک نیک کام (م۔ ندیم علیگ)، کیا خیال ہے (اشتیاق احمد)، ہنسنا منع ہے (فضیلہ ذکاء بھٹی)، ردی کی ٹوکری (مسعود احمد برکاتی)، تین نمبروں کا فرق (وقار محسن)، وہ ارفع ہی تھی (سلیم فرخی)، الٹیریا (نوشاد عادل)، احسان فراموش (محمد طارق)، بلاعنوان انعامی کہانی (سمعیہ غفار) اور انوکھا مقابلہ (جاوید بسام) غرض تمام کی تمام تحریریں بہترین اور تمام نظمیں اچھی ہیں، باقی مستقل سلسلے بھی زبردست ہیں۔ ایس ایم شیرازی، ملتان۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت اچھا۔ روز ایک نیک کام، کیا خیال ہے اور تین نمبروں کا فرق بہت اچھی کہانیاں، الٹیریا بہت مزاحیہ کہانی تھی۔ نوید الرحمٰن، اٹک۔

❁ مارچ کا شمارہ لاجواب تھا۔ ۲۳ مارچ کے حوالے سے مسعود احمد برکاتی کی تحریر پسند آئی۔ لطیفے جان دار تھے۔ کہانیوں میں بلاعنوان انعامی کہانی اور تین نمبروں کا فرق سبق آموز کہانیاں تھیں۔ محمد عدیل رشید، حیدر آباد۔

❁ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ خاص طور پر تین نمبروں کا فرق اور ردی کی ٹوکری پسند آئیں۔ شافعہ صادق، گوجرانوالہ۔

❁ آپ نے مارچ ۲۰۱۲ء میں لفظ طمانچہ کو تمانچہ ہی درست قرار دیا ہے، لیکن فیروز اللغات مرتب کردہ مولوی فیروز الدین میں لفظ ''طمانچہ'' ط سے ہی تحریر کیا ہے۔ اب ہم طالب علم کیا کریں؟ مارچ ۲۰۱۲ء میں لفظ ''بہہ'' کو ''بہ'' تحریر کیا گیا ہے۔ تو کیا ''تہہ'' کو ''تہ'' لکھا جائے گا؟ احدیہ خان غوری، جگہ نامعلوم

> پرانی لغات میں یہ دونوں طرح لکھا ہے، لیکن بعد میں ماہرین زبان نے ''تمانچا'' کو ترجیح دی ہے۔ بہ اور تہ بھی ٹھیک ہے۔

❁ انکل! آپ کی تحریر ''ردی کی ٹوکری'' تو ہم جیسے نوآموزوں کا منھ چڑا رہی ہے۔ واحد میاں کے تو کام ہی غلط ہیں۔ اشتیاق احمد نے اپنے دوست کو جو اعزاز پیش کیا وہ بھی منفرد کام ہی تھا۔ م۔ ندیم علیگ اور وقار محسن کی کہانیاں سب سے الگ اور سبق آموز تھی۔ سمعیہ غفار کی کہانیوں میں روز بروز نکھار آ رہا ہے اور اس دفعہ بلاعنوان انعامی کہانی بہت ہی لاجواب تھی۔ وہ ارفع ہی تھی اور قانون کا احترام پڑھا۔ ارفع کے بارے میں جتنا دکھ ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ بہرحال وہ فخرِ پاکستان۔ عاصمہ فرحین، کراچی۔

❁ مارچ کے شمارے کی کہانیوں میں روز ایک کام، کیا

خیال ہے اور تین نمبروں کا فرق سپرہٹ تھیں۔ سعدیہ غفار صاحبہ کی بلاعنوان انعامی کہانی بہت متاثر کن تھی۔ نظم ''یومِ پاکستان'' (شمس القمر عاکف) دل میں اُتر گئی۔ عائشہ ثاقب جنجوعہ، حبہ ثاقب جنجوعہ، صدف ثاقب جنجوعہ۔

❁ پہلی بات ہمیشہ کی طرح بہت اچھی ہے۔ نعتِ نبیؐ پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا۔ ۲۳ مارچ کے سلسلے میں آپ کا مضمون کافی معلوماتی تھا۔ آپ نے آزادی کے حوالے سے خوب لکھا، لیکن قومی رہنما اور ادیب و شاعر مولانا سید کفایت علی کافی شہید کو شاید ہم سب نے بھلا دیا ہے، جن کو انگریزوں نے تحریکِ آزادی کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ حسن رضا سردار، کاموکی۔

> قوم کے محسنوں کو بھولنا نہیں چاہیے۔

❁ مسعود احمد برکاتی کا مضمون ''ردی کی نوکری'' بہت دل چسپ تھا۔ نوشاد عادل کی کہانی ''لٹیریا'' پڑھ کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔ محمد مشتاق حسین قادری کی نظم ''نماز'' بہت شان دار تھی۔ نونہال ادیب میں سیدہ مبین فاطمہ عابدی کا مضمون ''مینارِ پاکستان'' معلومات سے بھرپور تھا۔ راجہ ثاقب محمود ہاشمی جنجوعہ، راجا فرخ حیات، راجہ نزہت حیات۔

❁ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ خاص طور پر بلاعنوان انعامی کہانی اچھی لگی۔ عدیلہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ بلاعنوان انعامی کہانی، علم دریچے، لطیفے اور کہانی احسان فراموش پسند آئیں۔ ہمدرد نونہال کا معیار بہت اچھا ہوگیا ہے، اسے برقرار رکھیے گا۔ شہریار گوندل، بہاول نگر۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اسامہ بن سردار، سانگھڑ۔

❁ مارچ کے شمارے میں روز ایک نیک کام اور بلاعنوان انعامی کہانی اب تک کے تمام شماروں میں شاید سب سے اچھی کہانیاں تھیں۔ کیا خیال ہے بھی اچھی کاوش تھی۔ لٹیریا میں واحد بھائی نے اس بار بھی بہت ہنسایا۔ وریشا رفیق، ولی کالونی۔

❁ مارچ کا رسالہ خوب ہے اور خوب صورت بھی۔ سرورق نہایت جان دار اور رسالہ بہت شان دار۔ خاص کر بلاعنوان انعامی کہانی نے تو آنکھیں نم کر دیں۔ نوشاد عادل کا کردار ''واحد بھائی'' بھی من کو بہت بھاتا ہے۔ انھیں یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور آپ سنائیے آپ کا حال احوال کیسا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔ آپ کا فشارِ خون اور ذیابیطس تو نارمل ہے ناں؟ اپنی خیریت سے بچوں کو مطلع رکھا کریں۔ انکل! پلیز اپنی ایک عدد تازہ اور ایک عدد بچپن کی سب سے پرانی تصویر سرورق پر شائع کریں۔ محمد فہد چغتائی، ڈیرہ غازی خان۔

> میں کام اور مصروفیت کے ذریعے اپنی صحت کو ٹھیک رکھتا ہوں۔ نونہال میری صحت کے لیے بہت دعائیں کرتے ہیں۔ میری تصویر شاید خاص نمبر میں آجائے۔ میاں! میرے بچپن میں تصویریں کھنچوانے کا رواج ہی نہیں تھا۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں لٹیریا، تین نمبروں کا فرق، ردی کی نوکری، روز ایک نیک کام بہت اچھی تھیں۔ بلال محمد یاسین، تربت۔

❁ مارچ کا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ اپنی تحریر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ حافظ حامد عبدالباقی، چویلیاں۔

❁ ہمدرد نونہال پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ۔

❁ مارچ کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ ربیعہ نعیم، ملتان۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت عمدہ تھا۔ سرورق میں پیارے سے بچے کی تصویر بہت اچھی تھی۔ کہانیوں میں تین نمبروں کا فرق، کیا خیال ہے، انوکھا مقابلہ اور بلاعنوان انعامی کہانی پسند آئی اور نظم ''نماز'' اچھی تھی۔ اس بار لٹیریا پڑھ کر ہنسی نہیں آئی۔ شہیر سخاوت، حیدر آباد۔

❁ میں نے ایک چھوٹے سے بچے ''محمد مہیب'' کی تصویر بھیجی تھی آپ نے ابھی تک نہیں چھاپی ہے۔ اس مہینے کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو سب سے اچھی بلاعنوان انعامی کہانی لگی۔ کومل ممتاز، کورنگی کراچی۔

> آپ کا خط اور بچے کی تصویر اس شمارے میں شامل ہے۔

❁ اس مہینے کا خیال پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ واقعی زندگی کا لطف خطرناک کام کرنے میں ہے۔ ردی کی نوکری میں آپ نے نااہل مدیروں اور قلم کاروں کا راز فاش کر دیا۔ ارفع کریم واقعی ایک شرارہ تھی جسے آگے چل کر بہت کچھ بننا تھا، مگر جو اللہ کو منظور۔ لٹیریا پڑھ کر ہنسی آگئی۔ باقی سارا شمارہ بھی بہت خوب تھا۔ سامعہ خالد، شکر گڑھ۔

❁ مارچ کے شمارے کی کہانیاں زبردست تھیں۔ خاص طور پر بلاعنوان انعامی کہانی کا موضوع بہت اچھا تھا اور کہانی تین نمبروں کا فرق بھی اچھی رہی۔ ارحم حسن صدیقی،

❁ مارچ کا شمارہ بہت پُرلطف تھا۔ کہانیوں میں روز ایک نیک کام، کیا خیال ہے، تین نمبروں کا فرق اور بلاعنوان انعامی کہانی بہت دل چسپ تھیں۔ ردی کی نوکری نمبر ون تحریر تھی۔ ہمدرد نونہال کی ہر ایک تحریر میں نصیحت ہے۔ ہمدرد نونہال پڑھنے والے نونہال ملک و قوم کی باگ ڈور سنبھال سکتے ہیں۔ وجیہہ اقبال، کراچی۔

❁ مارچ کے شمارے کے سرورق پر احمد وسیم کی تصویر بہت خوب صورت تھی۔ روز ایک نیک کام (م۔ ندیم علیگ) قابلِ تحسین و ستایش ہے۔ شہید حکیم محمد سعید صاحب کی تحریر جاگو جگاؤ میں بہت خوب صورت باتیں ہیں، جو ہر نونہال کو یاد رکھنی چاہییں۔ بلاعنوان انعامی کہانی ایک بامقصد تحریر ہے۔ لٹیریا نے بہت ہنسایا۔ وہ ارفع ہی تھی پڑھ کر اُداسی کی کیفیت اور خوشی کے آنسو اُمڈ آئے۔ باقی تمام مضامین بہت اچھے اور خوبصورت تھے۔ شیخ حسن جواید، سدیم حبیب، اندان حبیب، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال اندھیری رات میں چاند کی مانند ہے۔ اس کا ایک ایک حصہ خوشبودار پھول جیسا ہے۔ اس پھول کی خوشبو سے ہر گلی، ہر شہر، ہر آنگن مہکتا نظر آتا ہے۔ عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر۔

❁ تازہ شمارہ اچھا تھا۔ علم دریچے پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ صبا پرویز، گجرات۔

❁ مارچ کا شمارہ دل چسپ تھا۔ خاص طور پر کہانی روز ایک نیک کام، کیا خیال ہے اور تین نمبروں کا فرق بہت اچھی تھیں۔ کہانی لٹیریا تو بازی لے گئی۔ سارہ طارق، فیصل آباد۔

❁ اس ماہ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ساری تحریریں اچھی تھیں۔ کرن اقبال بھٹی، سانگھڑ۔

❁ علم دریچے اور نونہال ادیب میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ اس کے علاوہ مارچ کے شمارے میں ہنسی گھر کے لطیفے اچھے بھی تھے اور نئے بھی۔ نظموں میں یومِ پاکستان، نماز اور نعتِ نبوی تینوں بہت اچھی تھیں۔ پہلی بات میں آپ نے بہت اچھی اور بالکل صحیح بات لکھی تھی کہ یہ وہ پاکستان تھا جو

مسلمانوں کا سب سے بڑا اور دنیا کا پانچواں بڑا ملک تھا، لیکن ہمارے رہنماؤں کی وجہ سے آدھا رہ گیا۔ سیدہ زہرہ جمال، کراچی۔

* مارچ کا شمارہ کافی اچھا تھا۔ ارفع کریم کے بارے میں پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور اس کی وفات پر دکھ بھی۔ وقار محسن کی تحریر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہنسی گھر بالکل بھی اچھا نہیں تھا۔ محترم اشتیاق احمد کی کہانی میں وہ بات نظر نہیں آئی جو ان کا خاصہ ہے۔ انکل! کیا فہرست کتب میں کچھ نئی کتابوں کا اضافہ ہوا ہے؟ ثانیہ طلعت، سیالکوٹ۔

نئی کتابوں کا اشتہار تو ہمدرد نونہال میں آتا رہتا ہے۔ تفصیلی جواب کے لیے اپنا پورا پتے والا خط لکھیے۔

* مارچ کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی روز ایک نیک کام تھی جسے پڑھ کر میں نے بھی عہد کر لیا کہ میں بھی اس پر عمل کروں گا۔ اس کے علاوہ ردی کی نوکری، لٹیریا، احسان فراموش اور انوکھا مقابلہ بھی اچھی تھیں۔ آیئے مصوری سیکھیں بھی اس دفعہ بہت زبردست تھا اور بلاعنوان انعامی کہانی جسے پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسد فدا حسین کیریو، کراچی۔

* مارچ کے شمارے میں سب سے زبردست کہانی لٹیریا تھی اور دوسرے نمبر پر روز ایک نیک کام بہت اچھی لگی اور میں نے اسی دن سے عہد کیا کہ میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔ علم دریچے میں "قرآن حکیم" پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ کرن فدا حسین کیریو، کراچی۔

* مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ خاص کر تحریر ردی کی نوکری (مسعود احمد برکاتی) بہت اچھی لگی۔ محمد نواز شریف راجپوت، ہوسٹری۔

* مارچ کا شمارہ پسند آیا۔ اس بار کے لطیفے پڑھ کر بے حد مزا آیا۔ بلاعنوان انعامی کہانی پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ بہادر علی حیدر، کنڈیارو۔

* مارچ کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ یہ شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح میری امیدوں کے عین مطابق تھا۔ عبداللہ بن نعیم، مظفر گڑھ۔

* مجھے نونہال رسالہ پڑھتے ہوئے سولہ سال ہو گئے ہیں۔ کلاس اول سے پڑھتی آ رہی ہوں۔ میری اخلاقی تربیت میں والدین کے بعد ہمدرد نونہال کا بہت ہاتھ ہے۔ شہناز روبینہ، مظفر گڑھ۔

* مجھے ہمدرد نونہال بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ ایک بہترین اور منفرد رسالہ ہے اور ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ انصر صابر، وہاڑی۔

* مارچ کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خاص طور پر لٹیریا، تین نمبروں کا فرق، روز ایک نیک کام اور ہنسنا منع ہے۔ انوکھا مقابلہ نمبرون تحریریں تھیں۔ علیزہ سہیل، کراچی

* انکل! آپ سلسلہ وار کہانی کب شروع کریں گے؟ مارچ کا شمارہ ہماری توقعات پر پورا اترا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ فائقہ کامران عزیز، نارتھ کراچی۔

جب بھی کوئی عمدہ لمبی کہانی ملی، ضرور شائع کریں گے۔

* مارچ کا نونہال اچھا لگا۔ اسلامی معلومات کی کمی تھی۔ روز ایک نیک کام، کیا خیال ہے، تین نمبروں کا فرق، لٹیریا اچھی تھیں۔ بلاعنوان کہانی خاص تھیں جب کہ تحریر "ردی کی نوکری" خیالی تحریر لگی۔ عباس علی سومی، کراچی۔

* مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانی روز ایک نیک کام سے دل میں ایک نیا خیال آیا۔ ہنسی گھر پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ محمد طلحہ مغل، ڈگری۔

* مارچ کا شمارہ اچھا تھا، لیکن سرورق بالکل بھی اچھا نہ تھا۔ کہانیوں میں روز ایک نیک کام، ردی کی نوکری اور بلاعنوان

انعامی کہانی بہت پسند آئیں۔ فضیلہ ذکا بھٹی کی تحریر "ہنسنا منع ہے" کافی دل چسپ تھی اور "وہ ارفع ہی تھی" پڑھ کر دل میں ایک بلند جذبہ پیدا ہوا۔ محمد اعظم مغل، ڈگری۔

* تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ روز ایک نیک کام، تین نمبروں کا فرق، لٹیریا اور انوکھا مقابلہ بہت پسند آئیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی زبردست تحریر ہے۔ اس دفعہ سوالات بھی بہت زیادہ مشکل نہیں تھے۔ ہم کس تاریخ تک خط پوسٹ کریں کہ ۱۸- تاریخ تک آپ کو مل جائے؟ اگر ہم ۱۵- تاریخ کو پوسٹ کریں تو کیا وہ آپ کو مقررہ تاریخ تک مل جائے گا؟ فرح اسلام، کراچی۔

آپ ۱۵- تاریخ تک پوسٹ کر دیا کریں۔

* جاگو جگاؤ میں شہید پاکستان حکیم محمد سعید کی تحریر اعتدال کی اہمیت، پہلی بات اور ۲۳ مارچ پر مسعود احمد برکاتی کا خصوصی مضمون، کہانیوں میں روز ایک نیک کام، تین نمبروں کا فرق، غرض یہ کہ شمارے کی ہر چیز اپنی جگہ ایک منفرد مقام رکھتی تھی۔ محمد عثمان عابد، بہاول پور۔

* انکل! مارچ کا شمارہ ہمیں بہت پسند آیا۔ پہلی بات سے لے کر نونہال لغت تک پورا شمارہ لاجواب تھا۔ ایمان شاہد، جہلم۔

* تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ شمارہ بہت پسند آیا خصوصاً ردی کی نوکری، بلاعنوان انعامی کہانی، احسان فراموش اور لطیفے اچھے تھے۔ شہریار گوندل، ہارون آباد۔

* مارچ کا شمارہ کچھ خاص نہیں تھا۔ تحریریں ردی کی نوکری اور انوکھا مقابلہ بہت ہی پسند آئی۔ انکل! کہانیاں اچھی شائع کیا کریں۔ فرح ناز ابراہیم لغاری، سانگھڑ۔

* ہمارا پیارا ہمدرد نونہال بہت ہی اچھا جا رہا ہے۔ میں ہمدرد نونہال شوق سے پڑھتا ہوں اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کو بھی یہ رسالہ پڑھنے کو دیتا ہوں۔ محمد حمزہ اعوان، ڈیرہ غازی خان۔

* کہانیوں میں روز ایک نیک کام، انوکھا مقابلہ بہت زبردست تھیں۔ حسان کامران عزیز، نارتھ کراچی۔

* مارچ کا شمارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، مگر بلاعنوان انعامی کہانی اور وہ ارفع ہی تھی نمبر لے گئی اور ہنسنا منع ہے پڑھ کر تو ہم قہقہے لگانے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کی تحریر "ردی کی نوکری" کا جواب نہیں تھا۔ واقعی اس پر یہ ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ انجیشا کامران عزیز، نارتھ کراچی۔

* مجھے ہمدرد نونہال بہت پسند ہے۔ اس مہینے کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، لیکن مجھے لٹیریا بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ نیک کام اور کیا خیال ہے، بھی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ محمد انس عبدالستار، کراچی۔

* مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سب ہی کہانیاں زبردست تھیں۔ ورشا اعجاز، کراچی۔

* ۲۳ مارچ کے حوالے سے آپ کا خوب صورت مضمون معلومات افزا تھا اور روز ایک نیک کام بہت اچھی کہانی تھی۔ ہمارا بھی دل چاہ رہا ہے کہ ہم بھی روز ایک نیکی کریں اور ان شاء اللہ اس پر ہم سب عمل کریں گے۔ اس کے علاوہ کیا خیال ہے، تین نمبروں کا فرق، بلاعنوان انعامی کہانی، ہنسنا منع ہے اور احسان فراموش اچھی کہانیاں تھیں۔ قانون کا احترام، وہ ارفع ہی تھی اور دن اور رات اچھے مضامین تھے۔ علم دریچے بہت ہی خوب صورت سلسلہ ہے۔ آمنہ، عائشہ، ہانیہ، جگن، نامعلوم

* مارچ کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ سرورق کچھ خاص نہیں تھا۔ میں ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ ہمدرد نونہال بہت ہی اچھا رسالہ ہے۔ فہد محمد خان، سانگھڑ۔

نونہال ادب کی صحّی معلوماتی کتابیں

حکیم محمد سعید کے طبّی مشورے

شہید حکیم محمد سعید عظیم طبیب اور مقبول ترین معالج تھے۔ انھوں نے قارئین ہمدرد نونہال اور مریضوں کے سوالوں کے جواب میں بے شمار بیماریوں کے مفید اور آسان علاج بتائے ہیں، جو مسعود احمد برکاتی نے اس کتاب میں بڑے سلیقے سے جمع اور مرتب کر دیے ہیں۔

اس کا ساتواں ایڈیشن مقبولیت کی دلیل ہے

صفحات : ۳۴۴ —— قیمت : ۲۰۰ رُپے

مفید غذائیں دوائیں

غذا اور صحت سے متعلق ایک عمدہ کتاب

اس کتاب میں ۲۰۰ غذاؤں اور دواؤں کے خواص بیان کیے گئے ہیں، جن میں طب مشرقی اور جدید طب، دونوں کی تحقیقات شامل ہیں۔

نواں ایڈیشن

صفحات : ۲۴۰ —— قیمت : ۱۷۵ رُپے

پھل بولتے ہیں

پھلوں کے بارے میں مفید معلومات، خود پھلوں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ ایک دل چسپ کتاب جو بچوں اور بڑوں کو پھلوں کے خواص بتانے کے ساتھ ساتھ پھل کھانے کا شوق بھی پیدا کرتی ہے۔

سید رشید الدین احمد کی مقبول کتاب پھلوں کی رنگین تصاویر کے ساتھ

ساتواں ایڈیشن

صفحات : ۱۲۰ —— قیمت : ۱۴۰ رُپے

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

ابابیل

نسرین شاہین

ابابیل ایک خوب صورت اور نازک سا پرندہ ہے۔ ابابیل کو تاریخی لحاظ سے ایک اہم پرندہ سمجھا جاتا ہے۔ یمن کے حاکم ابرہہ نے جب خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے جھنڈ کو ابرہہ کے لشکر پر بھیجا۔ ہر ابابیل کی چونچ میں کنکر تھے۔ یہ کنکر جس ہاتھی اور جس شخص پر گرتے، اسے ریزہ ریزہ کر دیتے۔ اس طرح ابابیل کی ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کی۔ اس واقعے کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ الفیل میں آیا ہے۔

ابابیل عربی زبان کا لفظ ہے۔ ابابیل کو انگریزی میں سویلو (SWALLOW) کہتے ہیں۔ ابابیل کالے رنگ کی چھوٹی سی چڑیا جیسی ہوتی ہے۔ ابابیلیں جھنڈ کی شکل میں اُڑتی ہیں۔ ان کی اُڑان پُر وقار اور خوب صورت ہوتی ہے۔ اُڑتے ہوئے کوئی ایک ابابیل جھنڈ سے الگ ہو کر ایک دم نیچے کی طرف غوطہ لگاتی ہے اور زمین کو چھوتی ہوئی واپس اپنے جھنڈ میں مل جاتی ہے۔ حصول خوراک کا سارا عمل ابابیلیں ہمیشہ اُڑان کے دوران ہی مکمل کرتی ہیں۔ اُڑان کے دوران جب یہ اُڑنے والی چیونٹیوں پر جھپٹتی ہیں تو اتنا منھ کھول لیتی ہیں کہ چیونٹیاں ان کے کھلے منھ میں بھر جاتی ہیں۔ کیڑے مکوڑوں کی تلاش میں ابابیلوں کی اس قسم کی پروازیں فضا میں، جھیلوں، صحراؤں اور سمندروں پر دیکھی گئی ہیں۔ عموماً یہ جنگلات میں پائے جانے والے کیڑے مکوڑوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔ ابابیل تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتی ہیں۔

ابابیل کی کیڑے مکوڑے کھانے کی عادت سے کسانوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے، کیوں کہ یہ فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑے مکوڑوں کو چٹ کر جاتی ہیں۔ اس طرح

یہ کسانوں کے لیے ایک مفید پرندہ ثابت ہوا ہے۔

ابابیل کے پَر غیر معمولی طور پر لمبے ہوتے ہیں، جو پرواز میں آسانی پیدا کرتے ہیں اور یہ عام پرندوں کے مقابلے میں زیادہ سفر کرتی ہیں۔ ابابیلیں اُڑتے وقت منہ سے مختلف قسم کی آوازیں بھی نکالتی ہیں۔ ابابیل کی دُم دوشاخہ ہوتی ہے۔ بعض ابابیلوں کے پَروں کی نوک پر چھوٹے چھوٹے کانٹے لگے ہوتے ہیں، جس کی مدد سے یہ کھڑی سطحوں پر چپک سکتی ہیں۔ ابابیل کے پنجے اس قدر کم زور ہوتے ہیں کہ ان کے لیے زمین پر چلنا دشوار ہوتا ہے، اس لیے یہ دوسرے پرندوں کی طرح زمین پر بھاگ دوڑ نہیں سکتیں، البتہ درختوں کی پتلی شاخوں اور بجلی کے تاروں پر بیٹھنے میں ان کے کم زور پنجے بہت مدد دیتے ہیں۔ ان کے پَر مختلف رنگوں میں چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان کے پَروں میں چمک دمک پیدا کرنے والے کیمیائی ذرات ہوتے ہیں، جو انھیں قدرت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ یہ مختلف رنگ اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ نَر اور مادہ کے رنگوں میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ سال میں ایک دفعہ بچے دینے کے بعد مادہ ابابیل کے پَر جھڑ جاتے ہیں اور پھر نئے پَر نکل آتے ہیں۔

دنیا بھر میں ابابیل کی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں ابابیلوں کی تقریباً ۱۹ قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے دو قسم کی ابابیلیں موسمِ گرما میں سرد علاقوں سے ہجرت کر کے یہاں آتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم پاکستان میں اپنے بچے بھی دیتی ہے۔

ابابیل بہت تیز اُڑتی ہے۔ بعض ممالک میں ابابیلیں سال میں بارہ ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہیں۔ ابابیلیں سخت سردی برداشت نہیں کر سکتیں۔ برطانیہ جیسے ملک میں سردی کی شدت اور غذا کی کمی کے باعث ابابیلیں وہاں سے غائب ہونے لگتی ہیں۔ تمام ابابیلیں ایک ساتھ وطن نہیں چھوڑتیں، بلکہ وقفے وقفے سے ان کے غول ہجرت کرتے

رہتے ہیں، پھر یہ اپریل میں واپس برطانیہ کی طرف سفر کرتی ہیں، کیوں کہ اس وقت وہاں سردی ختم ہو جاتی ہے اور موسم خوش گوار ہو جاتا ہے۔ برطانیہ پہنچ کر اُن میں سے اکثر ابابیلیں اُن ہی درختوں یا پرانی عمارتوں میں گھونسلے بناتی ہیں، جہاں وہ پچھلے سال رہ رہی تھیں۔

ابابیلیں اپنے گھونسلے عام طور پر غیر آباد جگہوں پر بناتی ہیں۔ پہاڑی کھوہ سے لے کر دریاؤں، تالابوں کے کناروں، درختوں کے اندر بنے ہوئے سوراخوں میں ان کے گھونسلے پائے جاتے ہیں۔ عارضی گڑھوں، پرانی عمارتوں، مویشیوں کے باڑوں اور کھیتوں کے قریب بھی یہ گھونسلے بنا لیتی ہیں۔ ایک ابابیل چار سے چھے تک انڈے دیتی ہے، جن میں سے تین چار ہفتوں میں بچے نکل آتے ہیں۔ بچے کچھ ہی عرصے میں فضا سے کیڑے مکوڑے کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ ابابیل کے گھونسلے بناوٹ کے لحاظ سے بے مثال ہوتے ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ذرا سی دخل اندازی پر اپنا گھونسلا چھوڑ دیتی ہیں، جس سے ان کی محتاط طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر آسمان پر گھٹا چھائی ہو اور ابابیلیں بھی اُڑ رہی ہوں تو بارش ضرور ہوتی ہے۔ ☆

قصیدہ

قبیلہ بن تمیم کے ایک سردار نے اپنے شاعر اوس بن حجر سے خواہش کی: ''اوس! میری دلی خواہش تھی کہ تم میری شان میں کوئی قصیدہ لکھتے۔''

شاعر نے جواب دیا: ''اور میری دلی خواہش تھی کہ آپ کوئی غیر معمولی کام کر کے دکھاتے کہ میں آپ کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا۔''

مرسلہ: رخسار اکرم، لیاقت آباد

جوابات معلومات افزا - ۱۹۵

سوالات مارچ ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئے تھے

۱۔ آسمانی کتاب زبور حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھی۔

۲۔ اوس اور خزرج نامی قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے۔

۳۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال ۶۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

۴۔ بادشاہی مسجد لاہور میں ہے اور شاہجہانی مسجد ٹھٹھ میں ہے۔

۵۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان جون ۱۹۴۷ء میں کیا تھا۔

۶۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں تھے۔

۷۔ پاکستان کے شہر اٹک کا پرانا نام کیمبل پور تھا۔

۸۔ ''برگِ آوارہ'' حبیب جالب کے مجموعۂ کلام کا نام ہے۔

۹۔ امریکا نے ۱۷۷۶ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی۔

۱۰۔ تبریز، ایران کا ایک مشہور شہر ہے۔

۱۱۔ پاکستان کا پہلا ٹیلے وژن اسٹیشن لاہور میں قائم کیا گیا تھا۔

۱۲۔ پاکستان کی پہلی خاتون گورنر (سندھ) رعنا لیاقت علی خاں تھیں۔

۱۳۔ زمین پر خشکی وتری اور طبعی تقسیم کے علم کو علمِ جغرافیہ کہا جاتا ہے۔

۱۴۔ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں۔''

۱۵۔ ''PILLOW'' انگریزی زبان میں تکیے کو کہتے ہیں۔

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

درم و دام اپنے پاس کہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

◉ کراچی: ارینا آفتاب، سیدہ خدیجہ اصغر کاظمی، ثانیہ حقی، محمد سلمان شاہد، سید صفوان علی جاوید، حبیبہ حفیظ ◉ حیدرآباد: شہنور سخاوت، محمد ارباب بیگ ◉ کوئٹہ: فیہا ظاہر خان ◉ لاہور: محمد حسن ◉ رحیم یار خان: معروف رفیق ◉ ڈیرہ غازی خان: ڈاکٹر سارہ الیاس خان چغتائی ◉ بہاول پور: سفینہ ملک ◉ گوجرانوالہ: شہرین صادق ◉ پشاور: حانیہ شہزاد۔

۱۶ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

◉ کراچی: احدیہ خان غوری، رمشاہ کامران، مایا خان، خدیجہ سلیم، علیزہ سہیل، سید بلال حسین واکر، یوسف مفتی، سید احمد مجتبیٰ امروہوی، مہوش حسین، سیدہ سارہ اصغر کاظمی، سیدہ فاطمہ زہرہ کاظمی، محمد مصعب علی، ہانیہ شفیق، سید زین العابدین، فرح اسلام، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، رخسانہ جنید، محمد آصف انصاری، فرح ارم، نعیم رحمٰن خانزادہ، ثناء اسلم خانزادہ، ماہ نور فاطمہ، محمد سعد عمران، سیدہ ثوبیہ ناز، زعیم اختر، سیما عالم، راشد عالم ◉ مکلی ٹھٹھہ: عائشہ بی بی، اقصیٰ بتول، انعمٰی فاطمہ، اُم کلثوم، وجیہہ جاوید، تیمور جاوید ◉ حیدرآباد: ایمن عائشہ، ثمین خان، طحہٰ یاسین، مرزا فرحال بیگ، غوثیہ مہک ◉ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری، ماورا خادم حسین رحمانی ◉ کوئٹہ: میمونہ فتح محمد ◉ ملتان: ربیعہ نعیم، طوبیٰ ساجد، سمیرا بی بی، حافظ محمد یوسف کشمیری ◉ لاہور: زویا زاہد ◉ شکر گڑھ: سامعہ خالد، ماریہ بشیر ◉ ڈگری: محمد اعظم مغل ◉ کہرو: احمد جواد اعوان ◉ بھکر: عارفہ خورشید ◉ فیصل آباد: فائزہ علوی ◉ کھاریاں کینٹ: امیمہ ضیاء ◉ چکوال: عاطف ممتاز ◉ جہلم: محمد افضل ◉ راولپنڈی: اقصیٰ فاطمہ ◉ کوٹلی آزاد کشمیر: محمد جواد چغتائی۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

◉ کراچی: سید علی سعود، محمد حیات خان اعوان، خدیجہ عاکف، ظلِ عائشہ، عکاشہ عبدالخالق، سیدہ فرزین، سیدہ زہرہ امام، حسن مصطفٰے، انشراح یاسر انصاری، حاسن یاسر انصاری، محمد کاشان اسلم، سحرش امام، اسماء ارشد، رقیہ امتیاز احمد، اقبال احمد خان، رضوان احمد، محمد دلشاد، فرحاد آغا خان، شاہ محمد ازھر عالم، محسن امیر صدیقی، مہوش اختر، عائشہ کلثوم، بلال شاہد، عائشہ محمد خالد، میمونہ حفیظ اللہ خان نیازی، عبداللہ عارف ◉ کورنگی: محمد صادق علی، نادر علی جتھیال ◉ حیدرآباد: زبیر احمد کبیر احمد، محمد اسامہ انصاری، نور السحر، جمیل الرحمٰن صدیقی، محمد عدیل رشید، سعد انصاری ◉ میرپور خاص: اقراء مقصود، عاصمہ عبدالحمید راٹھور، کائنات محمد اسلم، فیروز احمد ◉ سکھر: محمد حسیب عباسی، دلشاد انصاری ◉ بہاول پور: صباحت گل، ایمن نور، احمد ارسلان راجا، قراۃ العین عینی، محمد عثمان عابد ◉ فیصل آباد: اسوہ علی، سارہ طارق، عمر صیام نعیم ◉ سیالکوٹ: عائشہ افضل ملک، ثانیہ طلعت ◉ راولپنڈی: آمنہ اعجاز، حائقہ شیخ، حافظ محمد بلال اسلم، حفصہ مہتاب ◉ جھڈو: شہریم راجا

عطاری ◉ ڈگری: محمد طلحہ مغل ◉ سنجھورو: رانا مبین حیدر راجپوت ◉ شکار پور: محمد عامر شیخ ◉ لاڑکانہ: سرکشا کماری ◉ کوئٹہ: عبدالمقیت ◉ شیخو پورہ: فضیلہ ذکا بھٹی ◉ کاموکی: حسن رضا سردار ◉ حویلیاں: حافظ حامد عبدالباقی ◉ واہ کینٹ: سعدیہ تنویر ◉ لاہور: سلمان عرفان ◉ پنڈی گھیپ: محمد عثمان ◉ پنڈدادن خان: پرنس راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ ◉ اسلام آباد: کمیل حیدر ◉ کوہاٹ: مریم بی بی۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

◉ کراچی: ربیعہ امتیاز، فائزہ توقیر، فہد فدا حسین کیریو، سید علی ناصر زیدی، عروج اسلم، سید انذر حسین، ازکی سنبل، عمر نوشاد ◉ سکھر: حوریہ جبیں انصاری، محمد فرقان شیخ ◉ میر پور خاص: فاطمہ ڈوگر ◉ ٹھاروشاہ: ریان آصف خانزادہ ◉ شہداد پور: حذیفہ شیخ ◉ پنو عاقل: محمد وقاص خواجہ ◉ کوئٹہ: عمر ارشد ◉ حب چوکی بلوچستان: ایم شفیع جاہت بلوچ ◉ ڈیرہ غازی خان: عبیدالرحمٰن ◉ خانیوال: احمد ابراہیم حسن ◉ میلسی: شارودل ◉ گجرات: صبا پرویز ◉ گوجرانوالہ: مزمل حماس ◉ لاہور: فاطمہ طاہر ◉ راولپنڈی: ایمان فاطمہ ◉ خوشاب: نجابت زہرا ◉ اٹک: ایمن تنویر۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

◉ کراچی: کرن سلیم، مدیحہ ثاقب، اسامہ بن قریش، ونیزہ احمد تبسم، سندس آسیہ، طہور اعدنان، حمزہ مسعود، محمد عثمان شاہد، احسن علیم، سیکا خان، کائنات عالم، واجد گلینوی، مریم سعید، روبینہ ناز، عشنا فلک ◉ میر پور خاص: غزنہ سید ◉ سامارو (ضلع عمرکوٹ): احمد خان قائم خانی ◉ کنڈیارو: بہادر علی حیدر بلوچ ◉ شہداد پور: محمد صالح جان الخیری ◉ خیر پور میرس: ریحانہ راجپوت ◉ سکھر: صائمہ شیر محمد ◉ بہاول نگر: فرحان اشرف ◉ مظفر گڑھ: عبداللہ بن نعیم ◉ خانیوال: محمد حسان ◉ شیخو پورہ: محمد احتشام کاظم ◉ لاہور: منیبہ ذوالفقار ◉ گجرات: لبابہ نور ◉ پنڈدادن خان: سیدہ مبین فاطمہ عابدی ◉ راولپنڈی کینٹ: نوشین کنول۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

◉ کراچی: ربیعہ مہتاب احمد، سکینہ احمد، بسمہ خالد، صدف خالد، عظمیٰ کنول، ثمرہ عثمان، شہناز اصغر، عائشہ علی، تہنیت خان ◉ ہوسٹری (ضلع حیدرآباد): محمد نواز شریف راجپوت ◉ میر پور خاص: حفصہ نادر ◉ بہاولپور: سید دانیال قمر ◉ راولپنڈی: عامرہ یاسین۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

◉ کراچی: سہیل احمد بابوزئی، وجیہہ اقبال، شیخ حسن جاوید، مہشب ارشاد الحق، ورشا رفیق، عباس حسین ◉ ٹنڈو الٰہیار: ملائکہ جاوید قائم خانی ◉ شہداد پور: راشد عمرانی ◉ نواب شاہ: صدام حسین مغل ◉ حب چوکی (بلوچستان): محمد عمران ◉ بھکر: ذیشان محمود ◉ بورے والا: کشف شاہد ◉ راولپنڈی: طیب علی ◉ بہاول نگر: سید طلحہ افضال گیلانی، منابل افتخار۔

پیش گوئی کا فائدہ

عظیم مسلمان محقق اور فلکیات داں ابو جعفر نصیر الدین طوسی کی رسائی جب ہلاکو خاں کے دربار میں ہوئی تو اس نے ایک رصدگاہ کی تعمیر کی تجویز پیش کی۔ ہلاکو خاں جاہل اور دُرشت مزاج شخص تھا۔ اس نے اخراجات کی تفصیل سن کر طوسی سے کہا: ''اس قدر رقم برباد کرنے سے حاصل کیا ہوگا؟''

طوسی نے جواب دیا: ''رصدگاہ کے بہت سے فائدے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں ستاروں کا حال معلوم کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ پھر ہم پیش آنے والے واقعات کے بارے میں زیادہ صحیح پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔''

''پیش گوئیاں؟'' ہلاکو خاں نے تلخی سے منہ بنایا: ''فرض کرو، اگر کسی جنگ میں مجھے شکست ہونے والی ہو اور نجوم کے ذریعے سے اس کا علم قبل از وقت ہو جائے تو کیا یہ ممکن ہوگا کہ میں اس شکست کو فتح میں بدلنے کی کوئی صورت نکال لوں؟''

طوسی نے ادب سے جواب دیا: ''یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو واقعہ رونما ہونے والا ہے، وہ تو بہر حال ہو کر رہتا ہے، اس سے بچنا ممکن نہیں۔''

ہلاکو خاں نے ناراضی سے کہا: ''پھر اس پیش گوئی کا کیا فائدہ؟''

طوسی کے لیے یہ سوال چکرا دینے والا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے ایک تشت اُٹھایا اور ہلاکو خاں سے درخواست کی: ''آپ یہ تشت کسی غلام کو دے دیجیے اور حکم دیجیے کہ جس وقت آپ درباریوں کے ساتھ بیٹھے ہوں، وہ اسے چھت سے نیچے پھینک دے۔''

ہلاکو تجسس میں پڑ گیا تو طوسی نے کہا: ''آپ پہلے میری درخواست قبول کر لیجیے، پھر بعد میں وضاحت کر دوں گا۔''

ہلاکو خاں نے طوسی کی بات مان لی۔ دربار لگا ہوا تھا کہ اچانک اوپر سے ایک تشت آ گرا۔ تشت کے گرنے کا اصل احوال چوں کہ طوسی اور ہلاکو خاں کو ہی معلوم تھا، اس لیے یہ دونوں جہاں تھے، کسی پریشانی کے بغیر وہیں بیٹھے رہے، لیکن دربار کے دوسرے لوگ جو اس بات سے ناواقف تھے، تشت کے اچانک اس طرح گرنے سے گھبرا گئے اور ایک کھلبلی سی مچ گئی، بلکہ اچھی خاصی بھگدڑ مچ گئی۔

طوسی نے ہلاکو خاں سے کہا: ''دیکھا! آپ نے اور میں نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کی، لیکن دوسرے لوگ بدحواس ہوئے اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ وہ اس آفت سے نہ جانے کس کس وہم وگمان میں پڑ گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟''

ہلاکو خاں نے کہا: ''ہمارے اطمینان کی وجہ یہ تھی کہ ہم تشت گرنے کے اصل حال سے باخبر تھے۔''

طوسی نے کہا: ''بلاشبہ پیش آنے والے واقعات علمِ نجوم سے ٹالے نہیں جا سکتے، لیکن ہم اپنی جگہ اسی طرح مطمئن رہتے ہیں، جس طرح تشت گرتے وقت تھے۔''

ہلاکو خاں نے رصدگاہ کی فوراً منظوری دے دی۔ ☆

نظامِ شمسی سے باہر زندگی

ماہرین فلکیات نے اُمید ظاہر کی ہے کہ انسان آئندہ چند برسوں میں نظامِ شمسی سے باہر موجود دنیاؤں تک رسائی حاصل کر لے گا، لیکن وہاں زندگی کی موجودگی کا امکان ایک فی صد سے زیادہ نہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ فاصلہ اس قدر زیادہ ہے کہ ایٹمی توانائی سے چلنے والے راکٹ کو بھی نظامِ شمسی کے سب سے دور واقع سیارے پلوٹو کے مدار تک پہنچنے میں دس برس درکار ہیں۔ یہ راکٹ چھے مہینے میں سیارہ مریخ، تین سال میں مشتری اور چھے سال میں زحل تک پہنچے گا۔ ماہرین نے کہا ہے کہ مستقبل میں ایسے خلائی اسٹیشن تیار کر لیے جائیں گے جو مناسب اور برابر فاصلے پر خلا میں موجود ہوں گے اور ان کی مدد سے ایسی مہمات میں بے حد مدد ملے گی۔ ☆

نونہال خبر نامہ

پانی بھرا درخت

افریقی ملک مڈغاسکر میں ایک بہت عجیب وغریب درخت پایا جاتا ہے۔ اس درخت کا نام 'باؤباب' ہے۔ اس درخت میں بڑی مقدار میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے کی اس خوبی کی وجہ سے اسے مڈغاسکر کا خزانہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں اس درخت کی آٹھ قسمیں پائی جاتی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ درخت بنجر زمینوں پر پروان چڑھتا ہے۔ اس درخت کے تنے میں ایک لاکھ بیس ہزار لیٹر تک پانی جمع کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، جو اس بنجر علاقے میں انسانوں اور جانوروں کی زندگی کے لیے ایک نعمت ہے۔ ☆

دل اور دھڑکن کے بغیر زندہ انسان

دل سے یاد کرنا، دل کی دھڑکن رک جانا یا دل کی گہرائیوں سے دعا دینا، اردو زبان کے محاورے ہیں، لیکن امریکی شہری ''کریک لیوس'' ان محاوروں سے آزاد ہے۔ کریک ایک ایسا انسان ہے جو دل اور دھڑکن کے بغیر بھی زندہ ہے۔ پچپن سالہ کریک دنیا کا وہ پہلا انسان ہے، جس کے جسم میں حقیقی دل کی جگہ ایسا مصنوعی آلہ لگا دیا گیا ہے، جو ایک عام دل کی طرح خون صاف اور پمپ کرنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ یہ مصنوعی آلہ دل کے فرائض تو سرانجام دیتا ہے، لیکن حقیقی دل کی طرح دھڑکنے کی کوئی آواز نہیں آتی۔ طب کی دنیا کا یہ تاریخی کارنامہ امریکا کے ٹیکساس ہارٹ انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹروں نے سرانجام دیا۔ کریک کا نام دنیا کے پہلے بغیر دل والے انسان کے طور پر گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج کیا گیا ہے۔ ☆

بینائی سے محروم امریکی بچہ گھڑسواری کا ماہر

یوں تو آنکھیں اور بینائی بہت بڑی نعمت ہیں، لیکن کچھ باہمت افراد اس نعمت سے محروم ہوتے ہوئے بھی اہم کارنامے سرانجام دے جاتے ہیں۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا میں مقیم TAYLOR HOWELL نامی ایک ایسا بچہ موجود ہے جو نابینا ہونے کے باوجود نہایت مہارت سے گھڑسواری کرتا ہے۔ یہ بچہ کم عمری میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہونے کے باعث آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو گیا تھا، لیکن اس نے اپنے شوق کو نہ چھوڑا۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود کسی ماہر گھڑسوار سے کم نہیں۔ وہ گھوڑے کی لگام تھام کر اسے اپنے مکمل قابو میں رکھتا ہے۔ ☆

اشاعت سے معذرت

نونہال بہت اچھی اچھی کہانیاں لکھتے ہیں اور بہت لکھتے ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ان کہانیوں میں سے بھی زیادہ اچھی کہانیوں کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ننھے لکھنے والے بددل نہ ہوں۔ صبر اور مقابلہ جاری رکھیں۔

☆ کراچی: غرور کا سر نیچا، احسان کا بدلہ، چالاک لکڑ ہارا، میرا پسندیدہ مشغلہ، عید الفطر کی خوشیاں، اپنی مدد آپ، اصل خوشی، آم، شہد اور اس کی افادیت، قوم کا ہیرو، مظلوموں کی فریاد، موت کے تحفے، فقیر کی ذہانت، ریچھ کے جوتے، قدرت کے کرشمے، لالچی بوڑھا، آدھا انعام، لالچ بری بلا ہے، انسان کیا چیز ہے، کامیابی، معصوم فرشتے، داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرو، نرم گرم بستر، سائنس کے راہنما، بہادر کا پہلا دن، ایک خواب ایک حقیقت، پیارا شہر کراچی، شہید حکیم محمد سعید، یوم دفاع اور اس کی تاریخی اہمیت، حیا اور ایمان، سیدھی راہ، خمیازہ، بری صحبت کا انجام، تین نصیحتیں، دونوں کا مقابلہ ممکن نہیں، انعام، بچے کا دکھ، نظم "چڑیا کا بچہ اور ہم"، دیانت داری، شیر کی خالہ، اسد کا خواب، بہادر لڑکا اور جادوگر، نظم "میرا طوطا"، "سچ پر چلو"، نظم "یارب"، نظم "ماں کے نام"، ایک روپے کا سوال ہے بابا، چاند اور تتلیاں، ڈرامہ، نظم "حال دل"، سچی دوستی، ہمارا ماحول، نظم "عید الاضحی"، کراماتی پیالہ، اللہ کی مصلحت، بچ کی ترکیب، نفرت، آخرت پر ایمان، حسد، عقل مند بادشاہ، لالچ کا انجام، جیسے درہم کا بدلہ، گو گو ریڈنگ سینٹر، گو لو گرین، گلابی ساڑھی، ہم سب کا پاکستان، ہمارا قومی ترانہ، میری کہانی، معافی، لندن میں ایک دن، برے کام کا برا انجام، نیکی کی راہ، کامیاب اجلاس، استاد کی ڈانٹ، سچی کہانی، علامہ اقبال ہمارے عظیم رہنما، احسان فراموشی کا انجام، مفکر پاکستان، عیسیٰ کو عربی میں عیسیٰ اور مسیح دونوں کہتے ہیں، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول بروز پیر، یہ دن یاد آئیں گے، جنت کی اونٹنی، وادی بنی کھاری، چینی مسلمان ☆ حیدرآباد: دوسروں کی مدد، چالاک چڑا، ڈاکو کی بات، معاشرے کا امن وامان، آؤ عزم کریں، اچھا لڑکا، ننھے جاسوس، (نظم) خاص نمبر، پرندوں کی آزادی، (نظم) ماہِ رمضان، تنہا سپاہی، ظالم وزیر کا انجام، حاضر جوابی، انداز اپنا اپنا، قائداعظم محمد علی جناح، مترادف، ہندستان کا بحری جہاز ☆ میرپور خاص: (نظم) محنت کی عظمت، جواب شکوہ، (نظم) اقبال تیرا دیس، گوریلا، میرپور خاص کی وجہ سے، (نظم) دعا ☆ میرپور ماتھیلو: (نظم) رسالہ نونہال، دیس ہمارا پاکستان، بچھو اور خرگوش ☆ سانگھڑ: (نظم) میری ماں، رمضان المبارک ☆ جام شورو: نادان کی دوستی ☆ شہداد پور: نونہال ادب، جھوٹ کا انجام ☆ ٹنڈو آدم: تین شرطیں ☆ بھریا روڈ: ضدی شہزادی ☆ محراب پور: حمد ☆ خیرپور میرس: صحبت کا اثر ☆ گھوٹکی: بُری صحبت ☆ حب بلوچستان: (نظم) جب ابابیل لڑتے ہیں، بیت اللہ ☆ بہاول پور: خزانے کی تلاش، لالچ کی سزا، نیک دل شہزادہ ☆ ملتان: سچی لگن، بڑے میاں کو پڑ گئے چور، انسان اور شیطان، جشن آزادی کیسے منائیں، دو بھائی، علامہ اقبال، سچ بولنے کا انعام، مجھ کو تیری ضرورت ہے، ایک تھا لڑکا حبیب نوٹ بوٹ، (نظم) آج میری سالگرہ ہے، لائبہ میرا نام ہے (نظم) ☆ ڈیرہ غازی خان: یہ زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا، امریکی کونصل کی کہانی، شجرکاری کی اہمیت، بدھو میاں ☆ جھنگ: (نظم) دعا، خدا دیکھ رہا ہے، دوستی کا حق ☆ فیصل آباد: بدعت، بزنلیا، باتیں سید میر حسن کی ☆ لاہور: وقت وقت کی باتیں، حضرت یوسف، دادی کی کہانی، اونٹ روپڑا، یتیم کی کہانی اس کی زبانی، ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے ☆ جہلم: جنی کی ذہانت، ایک میں دو، رانگ نمبر، دو چہرے کا انجام، میر تقی میر، زین شہزادی ☆ راولپنڈی: لالچ بری بلا ہے، چچی اور چمک، آمنہ کی کہانی، علامہ اقبال کے چند اشعار، نیکی کا صلہ، محنت بڑی چیز ہے، محنت اور کامیابی کی دوستی، جھوٹ ☆ رحیم یار خان: انوکھا ایکسیڈنٹ ☆ راجن پور: آگ ☆ بہاول نگر: (نظم) امی، قیمتی توپ، نانی ☆ ضلع وہاڑی: (نظم) نونہال ادیب ☆ جھاوریاں: رانگ نمبر ☆ سرائے سدھو: احساس ☆ کلور کوٹ: (نظم) بانی پاکستان ☆ شیخوپورہ: شیخی خور خرگوش، دل لگی ☆ اوکاڑہ: ندی کا محافظ ☆ سرگودھا: ٹیلی فون کیسے ایجاد ہوا ☆ ساہی وال: آزادی کی نعمت ☆ اسلام آباد: محنت کا جادو ☆ بنوں: (نظم) چار یار صحابہ، نیکی کا بدلہ، گلیور اور چھوٹے لوگ، بہادری کا صلہ ☆ کرک: زبان کی تلوار ☆ ٹانک: دہشت گردی اور نیک نوجوان ☆ اٹک سٹی: امن کا پیغام ☆ رحیم یار خان: عقل مند وزیر، عقل مند چڑیا ☆ پنڈ دادن خان جہلم: ضمیر کی آواز، دو بھائی، خوش اخلاقی، البیرونی، حضرت یونس، علامہ اقبال ☆ منڈی بہاء الدین: ڈائنا سار کیوں ناپید ہوگئے؟ ☆ ڈگری (ضلع میرپور خاص): حضرت ابراہیم (نظم) ☆ پنڈی گھیب: مل کر اپنا کام بنائیں ☆ شب قدر ضلع چارسدہ: بھیڑ کا سردار، بھیڑیے کا لوٹا ☆ میلسی (ضلع وہاڑی): لالچی وزیر ☆ خانیوال: خوشی کے آنسو ☆ صوابی: رانی کی کہانی۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مارچ ۲۰۱۲ء میں محترمہ سمعیہ غفار صاحبہ کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع کی گئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ جس میں سے کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد صرف ایک عنوان ''زخمی پاکستان'' کو بہترین قرار دیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے مندرجہ ذیل تین نونہالوں نے ارسال کیا ہے:

۱۔ وریشہ رفیق، دہلی کالونی، کراچی

۲۔ احمد ارسلان راجا، انور کالونی، بہاول پور

۳۔ شہریار احمد چغتائی، کوٹلی، آزاد کشمیر

چند اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں

ابھی اُمید باقی ہے۔ کہانی پاکستانی کی۔ صبح ہوگی ضرور۔ مجھے بچالو۔ درد لا دوا نہیں۔ بوڑھے کی فریاد۔ ضروری علاج۔ پاکستان کی پکار۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: سیدہ سارہ اصغر کاظمی، سیدہ خدیجہ اصغر کاظمی، سید احمد مجتبیٰ امروہوی، سیدہ فاطمہ زہرہ کاظمی، ورشہ اعجاز، عظمیٰ کنول، مہوش حسن، ایمن عارف، مایا خان، عباس علی مومنی، جویریہ حفیظ، روبشہ خالد، کنول فدا حسین کیریو، مریم سعید، سید علی باقر زیدی، مہوش اختر، عائشہ کلثوم، طہورا عدنان، صدف خالد، عروج اسلم، شہباز اصغر، واجد نگینوی، سید انذر حسین، عمران شکیل، نبیل احمد قاسم، محمد بلال صدیقی، محمد کامران عباسی، روبینہ ناز، خدیجہ سلیم، عائشہ محمد خالد، ماریہ مرتضیٰ مانڈوی، عمر نوشاد، سیدہ زہرہ جمال، سید نمیرا مسعود، محمد صہیب علی، ہانیہ شفیق، احسن علیم، تابندہ آفتاب، بسمہ خالد، مریم عبدالحق، شاہ بشریٰ عالم،

سیدہ ثوبیہ ناز، رنجیشا کامران عزیز، محمد انس عبدالستار، سکینہ احمد، محمد راحت حسین چشتی نظامی، محمد معاذ عمران، فبے فخر فاطمی، محمد عثمان شاہد، ماہ نور فاطمہ، محمد دلشاد، وریشہ رفیق، منیبہ اعجاز رحمٰن، سید محمد حذیفہ، سید محمد طلحہٰ، اقبال احمد، رضوان احمد، ثناء اسلم خانزادہ، ریحان خانزادہ، حمزہ منور، سیدہ زہرہ امام، عمارہ جمیل، اسماء ارشد، عابد امام، شیخ عمر احمد صدیقی، حاسن یاسر انصاری، انشراح یاسر انصاری، محمد کاشان اسلم، فرح ارم، سید بلال حسین ذاکر، خنساء الطاف، اقراء شرمین، محمد حاذق جاوید، سہیل احمد بابوزئی، ربیعہ مہتاب احمد، سارہ ذاکر انصاری، رخسانہ جنید، سید جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، قطرینہ قائم، فرح اسلام، شیخ حسن جاوید، وجیہہ اقبال، محمد سلمان شاہد، کریم اللہ، سبیکا خان، زہیب الحق حقی، اسریٰ خالد، محمد انس خان غوری، اذکی سنبل، کومل ممتاز، اطیبہ زیدی، تحریم خان، سمانہ تقوی، ایمان بن احمد، نوح بن احمد، عمر نوشاد ☆ مکلی ٹھٹھہ: اقصیٰ بتول، اُم کلثوم، الضحیٰ فاطمہ، وجیہہ جاوید، عائشہ بی بی، تیمور جاوید ☆ حیدرآباد: آفاق اللہ خان، شہنور سخاوت، محمد سرمد جمال صدیقی، محمد اسامہ انصاری، سید محمد حمزہ، اقصیٰ ریاض، محمد نواز شریف راجپوت، ایمن عائشہ احتشام الحق، طٰحہٰ یاسین، مرزا فرحال بیگ ☆ میر پور خاص: شنگرف خالد، سمعیہ نادر، حبہ سید، عاصمہ عبدالحمید راٹھور، اقراء مقصود، عدیل احمد، کائنات اسلم، عائشہ ڈوگر، ☆ ڈگری: محمد طلحہٰ مغل، محمد اعظم مغل ☆ شہداد پور: حذیفہ شیخ، محمد صالح جان الخیری ☆ سانگھڑ: اسامہ بن سردار احمدانی، ماورا خادم حسین رحمانی، مسعود جاوید، محمد عاقب منصوری، فرح ناز ابراہیم لغاری، کرن اقبال بھٹی، فہد محمد خان ☆ سکھر: محمد حسیب عباسی، صائمہ شیر محمد، دلشاد بانو لغاری، حوریہ جبین انصاری، عائشہ محمد خالد قریشی ☆ کوئٹہ: عبدالمقیت، میمونہ فتح محمد، عمر ارشد ☆ حب چوکی (بلوچستان): ایم شفیع چاہت بلوچ، کلیم اللہ رونجھا ☆ بہاول پور: محمد

عثمان عابد، سید دانیال قمر، قرۃ عین یمنیٰ، ایمن نور، صباحت گل، احمد ارسلان راجا، نائلہ ملک ☆ ملتان: حافظ محمد یوسف کشمیری، بسمہ بی بی، ربیعہ نعیم، محمد شہروز علی، ایس ایم ذیشان شیرازی، محمد جاوید علی، محمد خرم شہزاد ☆ بہاول نگر: فرحان اشرف، مناہل افتخار ☆ ڈیرہ غازی خان: عبدالرحمٰن، محمد الیاس خان چغتائی، نادیہ رحمان ☆ فیصل آباد: سارہ طارق، حسام اللہ علوی، محمد صیام نعیم، اسوہ علی ☆ شکر گڑھ: سامعہ خالد، ماریہ بشیر ☆ شیخو پورہ: فضیلہ ذکاء بھٹی، محمد احتشام کاظم ☆ لاہور: اُمِ عمارہ، وہاج عرفان، منیبہ ذوالفقار، زاہرہ ریاض، محمد افضل اکرم، زاہد امتیاز ☆ گوجرانوالہ: نوال فاطمہ، شہرین صادق، عمر فاروق، مزمل حماس ☆ راولپنڈی: انابیہ رضوان، ہمارحمٰن، آمنہ اعجاز، انعم رحمٰن، شمائلہ کرن، میمونہ یاسین ☆ اسلام آباد: کمیل حیدر، راؤ عبدالسمیع، ایمل منال، انعم حمید ☆ اٹک: ایمن تنویر، محمد عثمان، نویدالرحمٰن ☆ رحیم یار خان: معروف رفیق ☆ خانیوال: محمد حسان قاضی ☆ میلسی ضلع وہاڑی: شارودل ☆ بورے والا: یشفیٰ شاہد ☆ مظفر گڑھ: عبداللہ بن نعیم ☆ کاموکی: حسن رضا سردار ☆ جھاوریاں ضلع سرگودھا: رفعت بتول، عائشہ افضل ملک ☆ بھکر: ذیشان محمود ☆ حویلیاں: حافظ حامد عبدالباقی ☆ تلہ گنگ ضلع چکوال: عاطف ممتاز ☆ پنڈ دادن خان: پرنس راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ ☆ کوٹری: نادیہ طارق ☆ کنڈیارو: بہادر علی حیدر بلوچ ☆ ٹھاروشاہ: شایان آصف خانزادہ راجپوت ☆ کھپرو: زویا کلیم اعوان ☆ شہداد پور: راشد علی عمرانی ☆ جھڈو: شہریم راجا ☆ خیر پور میرس: ریحانہ راجپوت ☆ پنو عاقل: محمد وقاص خواجہ ☆ شکار پور: صبا عبدالستار ☆ لاڑکانہ: سرکشا کماری ☆ کشمور: سہیل احمد کھوسو ☆ حب چوکی (ضلع بلوچستان): محمد عمران ☆ تربت (بلوچستان): بلال محمد یاسین ☆ کوئٹہ: فبہا ظاہر خان ☆ کوٹلی آزاد کشمیر: شہریار احمد چغتائی۔

☆ ☆ ☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
قدم بوسی	قَ دَ مْ بو سِی	پاؤں چومنا۔ تعظیم۔ آداب کرنا۔
پیش گوئی	پے شْ گو ئی	کوئی بات اس کے ظاہر ہونے سے پہلے بتادینا / کہہ دینا۔
رعنائی	رَ عْ نا ئی	خوب صورتی۔ زیبائی۔
ساکت	سا کِ ت	بے حس و حرکت۔ چپ۔ خاموش۔ دم بخود۔
رشک	رَ شْ ک	حسد۔ جلن۔ کسی کے برابر ہونے کی خواہش۔
روانی	رَ وَا نِی	بہاؤ۔ تیزی۔ صفائی۔
عبرت	عِ بْ رَ ت	نصیحت۔ خوف۔ تنبیہ۔
نمودار	نُ مُو دَا ر	عیاں۔ ظاہر۔ آشکارا۔
کرب	کَ رْ ب	بے چینی۔ سخت تکلیف۔ غم و رنج۔ بے قراری۔
آشتی	آ شْ تِی	صلح۔ امن۔ محبت۔ دوستی۔ اتفاق۔
اسلاف	اَ سْ لَا ف	بزرگ۔ اگلے وقتوں کے لوگ۔
مٹرگشت	مَ ٹَ رْ گَ شْ ت	سیر۔ ہوا خوری۔ آوارہ گردی۔
نظریہ	نَ ظَ رْ یَہ	اصول۔ خیال۔ تھیوری۔
درشت	دُ رُ شْ ت	سخت۔ کھردرا۔ کند۔ تیز۔
پست	پَ سْ ت	نیچا۔ نشیبی۔ نیچ۔ ادنا۔ کمینہ۔ چھوٹا۔ کم رتبہ۔
مصلحت	مَ صْ لَ حَ ت	نیک صلاح۔ اچھا مشورہ۔ مناسب تجویز۔ خوبی۔
لبریز	لَ بْ رے ز	بھرا ہوا۔ لبالب۔ پُر۔ کناروں تک بھرا ہوا۔
رصدگاہ	رَ صَ دْ گَ ا ہ	سیاروں کی گردش کا مشاہدہ کرنے کا مرکز۔
منڈلانا	مَ نْ ڈْ لَا نَا	چکر لگانا۔ گھومنا۔ حلقہ باندھنا۔ گول دائروں میں اُڑنا۔